جو چراغِ جاں تھے بُجھے ہوئے

ایم سُلطانہ فخر

نیم تاریک سے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں
جس کے چاروں کونوں میں شیڈز سے خارج ہوتی
سبزی مائل ہلکے پاور کے بلب کی مدھم سی روشنی جل
رہی تھی۔ آتش دان کے آگے وہ صوفے میں دھنسا
سگریٹ کے کش پہ کش لگا رہا تھا۔ اس کی اداؤں سے
بے چینی متشرح تھی۔ وجیہہ سے چہرے پر تنوع

اور سامنے والے کارپٹ پر مرکوز' بے حد چمکیلی سی نگاہوں میں شک وشبہات اور غم وغصے کی کیفیتیں بڑی نمایاں تھیں۔ یوں جیسے ضبط کی انتہا تک پہنچنے کے باوجود برداشت کی قوت پارہ پارہ ہو رہی ہو۔ مگر بے یقینی اور بدگمانی ان بکھری سمٹتی کیفیتوں کو بے لگام ہونے کا موقع نہیں دے رہی ہو۔ بہرحال اگر یہ اس کی بدگمانی ہی تھی اور وہ بھی کسی قدر ٹھوس مکمل یقین۔ مگر اس کے کانوں میں بار بار' وقفے وقفے سے وہی مردانہ بھاری سی دھیمی آواز' کہیں دور بجتے خطرات کے سائرن کی طرح گونج رہی تھی۔ ہاں یہ آواز بڑے واضح طور پر پورے ہوش وحواس کے ساتھ ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس نے خود اپنے کانوں سے سنی تھی۔ گو دیکھا کچھ بھی نہ تھا کیونکہ امریکی طرز کے ٹیک کے پالش شدہ دروازے میں کوئی کی ہول تھا نہ جھری جس کی راہ اندر اپنی خوابگاہ کا منظر دیکھا جا سکتا۔ مگر عالیہ کی وہ خوشامدانہ سی سرگوشیاں اور مردانہ بھاری آواز میں کسی کی کھسر پھسر اتنی واضح تھی کہ ایک اونچا سننے والا انسان بھی آسانی سے اسے سن سکتا تھا۔ اس پر اندر اس کی خوابگاہ میں ہلکی ہلکی کھٹ پٹ بھی ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر دروازے سے کان لگائے وہ خوابگاہ سے آتی ان غیر مبہم سی مشکوک آوازوں سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ کہیں اس کی سماعت دھوکہ تو نہیں کھا رہی۔

پھر ایک دم ہی دروازے کا ہینڈل گھما کر خوابگاہ میں داخل ہوا تو اس کی بیوی عالیہ خوابگاہ کے عین وسط میں کھڑی تھی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں سے جن کا وہ شیدائی تھا۔ ہلکا ہلکا سا خوف ہویدا تھا اور اڑی اڑی رنگت کے ساتھ وہ اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ مگر وہ اسے نظرانداز کرتا ہوا تیزی سے اسی دروازے کی

طرف جھپٹا جو عمارت کی دائیں سمت عقبی حصے تک جاتی روش کی طرف کھلتا تھا اور جس پر پڑا پردہ اب بھی آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے پردہ ہٹایا۔ دروازہ گو اندر سے بند تھا پھر بھی اس نے چٹخنی گرا کر اسے کھولا اور باہر جھانک کر دیکھا اور پھر چٹخنی چڑھا کر عالیہ کی طرف پلٹا۔ جو کسی رنگے ہاتھوں پکڑ لئے جانے والے مجرم کی طرح نگاہیں فرش پہ گاڑے چور جھکائے اپنی انگلیاں موڑ رہی تھی۔ اس کا سہما سہما انداز' نگاہیں گرانا اس کی خاموشی اور بدحواسی' غرض یہ کہ اس کی ایک ایک ادا اس کے مجرم ضمیر ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔ اس نے اس کے نزدیک آ کر اپنی جلتی سلگتی نظریں اس پر مرکوز کر کے بڑے سخت لہجے میں پوچھا۔

"یہ تم کس سے باتیں کر رہی تھیں' کون تھا وہ۔"

"ک۔۔۔ کون۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" عالیہ نے بڑے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ مگر اس کی لرزتی کانپتی آواز اس کی بناوٹ کی چغلی کھا رہی تھی۔ کم از کم آذر کو تو ایسا ہی محسوس ہوا۔ وہ جذب میں آ کر بولا۔

"تم مجھے بنانے کی کوشش نہ کرو عیار لڑکی! سچ سچ بتا دو کہ وہ کون تھا؟"

"ن۔۔۔ نہیں' آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں' جب کوئی تھا ہی نہیں تو میں کیسے بتا دوں کہ کون تھا' اور وہ بھی ایسے ناوقت بھلا کون میرے پاس آ سکتا ہے۔" عالیہ یوں بولی جیسے اس کے سوالوں سے عاجز آ گئی ہو۔

"دیکھو مجھے فریب دینے کی کوشش نہ کرو مکار عورت! سچ بتاؤ کہ وہ کون تھا اور رات کی تنہائیوں میں تم سے ملنے کیوں آتا ہے؟"

عالیہ کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بولنے پر اسے تاؤ آ گیا۔ اس نے عالیہ کو شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

"میں چاہوں تو مار مار کر بھی تم سے سب کچھ اگلوا سکتا ہوں سمجھیں۔ مگر میں انتہائی شرافت سے کام لے رہا ہوں۔ میں نے خود اسے تم سے باتیں کرتے سنا ہے۔ اب تم سیدھی طرح بتا دو کہ وہ کون ہے۔"

"آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں آذر۔ آپ کے سوا میرے پاس بھلا کون آ سکتا ہے' وہ بھی اس بند کمرے میں' کیا۔ آپ مجھے ایسا ہی گیا گزرا سمجھتے ہیں۔ کیا میں نے آج تک کوئی ایسی نازیبا حرکت کی ہے' جس پر آپ

کو مجھے ٹوکنا پڑا ہو۔ اتنی سخت قسم کی باز پرس کرنی پڑی ہو۔"

اس کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش میں عالیہ کے پنکھڑیوں کی مانند نازک ہونٹ سوکھ کر رہ گئے تھے۔

"مگر یہ پردہ کیوں ہل رہا تھا۔ اور تم پاگلوں کی طرح آپ ہی آپ کیوں بول رہی تھیں؟" اس نے پھر بڑی کڑی نظروں سے اسے دیکھ کر سوال کیا۔

"میں... میں آپ ہی آپ بول رہی تھی؟ نہیں نہیں۔ وہ تو آج پھر مجھے وہی محسوس ہوا تھا' اس لئے میں نے پردہ ہٹا کر دیکھا تھا مگر... مگر وہاں تو کچھ بھی نہ تھا؟"

وہ کسی طرح قبول کر کے نہیں دے رہی تھی۔ ٹپ ٹپ بہت سے آنسو اس کے رنگ اڑے رخساروں کو بھگوتے اس کے لباس میں جذب ہونے لگے۔ اس کی آہوئے ختن جیسی آنکھوں میں ابر باراں کا سماں دیکھ کر مزید کچھ پوچھنا اس نے بیکار ہی سمجھا۔ ایک جھٹکے سے اس کے شانوں سے ہاتھ ہٹائے اور خوابگاہ کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

باہر جہاں کوریڈور سے لے کر ڈرائنگ' ڈائننگ لابی' لاؤنج' کچن اور عمارت کے باہر پھیلے خنک اور مہیب اندھیروں میں ڈوبے لانز اور روشوں پر سناٹے اور تاریکی کا راج تھا۔ مگر خاموش اور ساکت ہونے کے باوجود ہر شے جیسے وقت کے کسی بھی لمحے میں اس میں جان پڑ جائے گی اور بول اٹھے گی۔ اسے خوف میں کچھ وحشت سی ہونے لگی۔ مگر دماغ ابھی تک سلگ رہا تھا۔ کیونکہ آج عالیہ کی یقین دہانی' عذر معذرت اسے مطمئن نہ کر سکی تھی۔ حالانکہ وہ عالیہ کی باتوں سے کسی حد تک متاثر ضرور ہوا تھا' اس لیے کہ اپنی تین سالہ ازدواجی زندگی میں اسے ایک بار بھی عالیہ کو ٹوکنا نہیں پڑا تھا۔ وہ تھی ہی ایسی معاملہ شناس' فرمانبردار' بے زبان اور بے ضرر سی۔ اماں اپنی زہر آلود باتوں سے اس کا دل اور جگر چھلنی کر دیتی تھیں مگر وہ منہ سے اف تک نہ کرتی تھی۔ اور تو اور آذر کے سامنے کبھی بھی حرف شکایت زبان پر نہ لاتی تھی۔ اس پر فرض شناس ایسی کہ اگر آدھی رات کو بھی کوئی اسے آواز دیتا تو اس کا کام کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاتی۔ اماں کی عمل داری میں گھر کا کام سنبھالنا تو خیر ممکن ہی نہ تھا لیکن اماں نے اس پر جن کاموں کا بوجھ ڈالا تھا۔ انہیں اپنی بساط سے بڑھ کر وہ مستعدی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتی تھی اور پھر شوہر کی چاہت کا یہ عالم کہ اس کی ذرا سی تکلیف اور پریشانی پر بے چین ہو اٹھتی تھی۔ وہ جو کہتا تھا وہی کرتی تھی۔ آذر کو اس کا بار بار میکے جانا پسند نہ تھا۔ اس لیے اس نے میکے جانا بھی کم کر دیا تھا۔ مگر یہ بات جسے وہ پچھلے کئی ماہ سے بہت معمولی اور بے حقیقت سمجھتا آ رہا تھا۔ اسے اب محض ایک وہم اور دھوکا سمجھ کر نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کی سماعت نے وہ مردانہ آواز اور عالیہ کی کھسر پھسر محفوظ کر لی تھی اور اب وہ اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ عالیہ اسے پچھلے چند ماہ سے دھوکہ دیتی آ رہی ہے۔"

آتش دان کے نزدیک رکھے فوم کے صوفے میں دھنس کر اور سگریٹ پہ سگریٹ پھونک کر وہ حالات کی کڑیاں ملانے لگا۔

یہ سلسلہ تو پچھلے کئی ماہ سے جاری تھا۔ تقریباً" اب سے پانچ ماہ پہلے ایک رات جب وہ اپنی ڈیوٹی بھگتا کر واپس گھر آیا تو حسب معمول اپنے مخصوص انداز میں دروازہ کھول کر اس نے دیکھا۔ عالیہ بڑی خوفزدہ سی اپنے بیڈ کے قریب کھڑی دوسرے دروازے پر پڑے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھ رہی ہے۔ یہ دوسرا دروازہ عمارت کی دائیں سمت عقبی حصے تک جانے والی روش کی طرف کھلتا تھا۔ اسے بھی ایک تجسس سا پیدا ہوا۔ اس نے دبے دبے قدموں سے عالیہ کے نزدیک آ کر پوچھا۔

"کیوں بھئی کیا دیکھ رہی ہو؟" اور عالیہ ایک دبی دبی چیخ کے ساتھ ڈر کر اچھل پڑی۔ اور وہ اس کے اس بری طرح ڈر جانے پر ہنسنے لگا۔

"بھئی آخر بتاؤ تو سہی کہ ماجرا کیا ہے۔ تم کس چیز

سے اس قدر خوفزدہ ہو رہی تھیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ وہ۔۔۔" عالیہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر پھنسی پھنسی آواز میں پردے کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

"یہ۔۔۔ یہ پردہ۔۔۔"

"ہاں یہ ہے تو پردہ ہی، مگر تم نے کسی بھوت ووت کو تو اس میں سماتے نہیں دیکھ لیا۔" وہ اسے چھیڑنے کی غرض سے مسکرا کر بولا۔

"نہیں نہیں، بس۔۔۔ وہ میں۔۔۔ میں۔۔۔" خوف کے مارے عالیہ کے منہ سے الفاظ ہی ادا نہیں ہو رہے تھے۔ وہ تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ کسی چیز سے خوفزدہ ہو گئی ہے، اس کا ڈر مٹانے کو وہ اسی دروازے کی طرف بڑھا تو عالیہ نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

"نہیں نہیں، دروازہ تو اندر سے بند ہے، مگر یہ پردہ پتا نہیں کیوں ہل رہا تھا جبکہ پنکھا بھی نہیں چل رہا۔"

"ارے تو کوئی بلی یا چوہا ہوگا۔ بلکہ چوہا ہی ہو سکتا ہے کیونکہ بلی تو اتنی سی جھری میں سے نہیں گزر سکتی، تم خواہ مخواہ ہی ڈر گئیں۔"

اور پھر اپنا کوٹ اتارنے لگا تو عالیہ اس کا بازو چھوڑ کر جلدی سے دوسری طرف گھوم گئی۔

"واہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اتنی ڈرپوک بھی ہو سکتی ہیں۔ ورنہ کوئی باڈی گارڈ ضرور چھوڑ کر جاتا۔" اس نے کوٹ اتار کر اپنی الماری کی طرف بڑھتے ہوئے ہنس کر کہا اور پھر کوٹ کو ہینگر پر لٹکا کر اس کے نزدیک آ کر بولا۔

"سب سے بڑا آسیب تو میں ہوں۔ مجھ سے ڈرو تو کوئی بات بھی ہو۔ یہ چوہوں اور بلیوں سے ڈرنا بھی بھلا کوئی معقولیت ہے۔" وہ ہنس ہی نہیں رہا تھا بلکہ بڑی وارفتہ نظروں سے اس کے خوبصورت اور معصوم سے چہرے کو تک رہا تھا۔ مگر وہ شرمانے کے بجائے کتراتی سی لگ رہی تھی۔ کم از کم اسے تو کچھ ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔ مگر وہ تو اس کی بھولی بھالی اور سوہنی سی صورت کا دیوانہ تھا اور اپنی ماں بہنوں کی زیادتیوں کا ازالہ وہ اپنی بے پناہ چاہت اور گرمجوشی دکھا کر ہی کرتا تھا۔

"کیوں بھئی، کیا تمہیں مجھ سے بالکل ڈر نہیں لگتا۔" اس نے اپنی وارفتگی میں والہانہ پن شامل کر کے اس کی ٹھوڑی اونچی کر کے پوچھا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر بڑے قاتلانہ انداز میں مسکرائی اور ایک ادائے دلربائی سے بولی۔

"آپ سے تو اتنا ڈر لگتا ہے کہ کیا بتاؤں۔"

"اچھا۔ مجھ سے یا اماں جان سے۔" اس نے معنی خیزی سے کہا اور پھر دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"بھئی کیا کریں، اماں تو ایک روایتی ساس کی بہترین مثال ہیں، مگر ہم تو تمہارے دیوانے ہیں نا۔" اس نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں میرے لیے یہی بہت کافی ہے۔ آپ کی رفاقت اور محبت حاصل رہی تو پھر کوئی خواہ ظلم و زیادتی کی انتہا کر دے مجھے بالکل پروا نہ ہوگی۔"

"شاباش بچہ، مجھے تم سے یہی امید تھی۔" اس نے اس کا گل آسا چہرہ اپنی ہتھیلیوں میں لیتے ہوئے کہا اور ایک بار پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ایسی دلکش اور پیاری ہنسی کہ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا۔

"بھئی ہماری آنتیں قل ہو اللہ ہی نہیں بلکہ صدق اللہ العظیم بھی پڑھ چکی ہیں اور آپ ہیں کہ بس اپنی اداؤں ہی سے ہماری بھوک مٹانے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

"او ہاں واقعی، آپ کی باتوں میں کچھ خیال ہی نہ رہا۔ کھانا تو کب کا تیار رکھا ہے۔ مگر آپ لباس تو تبدیل کر لیں۔" وہ اس کے یاد دلانے پر کچھ خجل سی ہو گئی۔

"اچھا تو ایسا کرو۔ تم کھانے کی ٹرالی یہیں لے آؤ اتنے میں میں کپڑے بدل لیتا ہوں۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں بالکل بالکل۔" وہ اس کے لیے اور اپنے لیے کھانا لانے کی عجلت دکھاتی ہوئی بولی اور پھر کمرے

نکل گئی۔

بات بہت معمولی تھی۔ اس لیے اس نے کچھ خیال ہی نہیں کیا۔ یہی سوچا کہ کسی وقتی تاثر کے تحت عالیہ ڈر گئی ہوگی۔ ویسے بھی فطرتاً بہت نازک طبع اور بھولی بھالی ہے اور پھر نیچے تنہا بھی تو رہتی ہے۔ میں اتنی رات گئے آتا ہوں۔ مگر کیا کروں، میرا کام ہی ایسا ہے۔ جب بھی رات کی ڈیوٹی لگتی ہے۔ دیر سے ہی گھر آنا پڑتا ہے۔ تو کیا آصف سے کہہ دوں کہ عالیہ کا خیال رکھا کرے۔ مگر نہیں ایسی حماقت تو کبھی بھول کر بھی نہیں کروں گا۔ ہماری اماں تو ایسے موقعوں کی تاک میں رہتی ہیں۔ نامعلوم کیسی کیسی تہمتیں لگادیں۔ پھر یہ تو محض اس کا واہمہ ہی تھا ورنہ پہلے تو کبھی نہیں ڈری تھی۔

ان دنوں اس کا کام بہت بڑھ گیا تھا۔ وہ کسٹم آفس میں پرونٹنگ آفیسر کے عہدے پر فائز تھا اور بیرون ملک جانے اور آنے والے ہر سامان کی چیکنگ اس کے ذمے تھی۔ ویسے بھی ذاتی طور پر وہ ایک معقول گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے والد ایک بڑے بزنس مین تھے اور گھر میں اللہ کا دیا وہ کچھ بھی تھا جس کے ہونے کی ایسی ضرورت تھی نہ تمنا۔ کبھی رات کی ڈیوٹی لگتی جو دنوں بعد لگتی تھی تو اسے تمام رات گھر سے باہر رہنا پڑتا تھا۔ مگر ان دنوں بیرونی ملکوں سے مال بردار جہاز آنے کی وجہ سے اس کا کام اتنا بڑھ گیا تھا کہ اسے رات گئے ہی گھر آنے کی فرصت ملتی تھی۔ اس واقعے کو کوئی روز گزر گئے تھے کہ ایک رات پھر وہ اسی طرح بے آواز قدموں سے اپنی خوابگاہ میں داخل ہوا تو عالیہ کو بیرونی سمت کھلنے والے دروازے کا کھٹکا لگاتے ہوئے پایا۔ اس وقت وہ بہت عجلت میں اور گھبراہٹ میں تھی۔ جلدی سے کھٹکا لگا کر مڑی تو اس پر نظر پڑتے ہی اس کا رنگ فق ہوگیا۔ اور نہ جانے کیوں اسے اپنے دل میں ایک عجیب سی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ اس کے باوجود اس نے ہنس کر پوچھا۔

"کیوں بھئی، کیا آج پھر کچھ نظر آگیا؟"

"نہیں نظر تو کچھ نہیں آیا۔" عالیہ کی آواز لڑکھڑائی تھی۔

"میرے خیال میں تو تمہیں کچھ وہم ہوگیا ہے۔" اس نے ٹائی کی گرہ کھولتے ہوئے قدرے لاپروائی سے کہا۔

"وہم۔ ہاں۔ شاید وہم ہی ہوگیا ہے۔" عالیہ عجیب سے انداز سے بولی۔

"ہاں۔ ورنہ میں تو اسی طرف سے آرہا ہوں۔ کوئی ہوتا تو۔۔۔"

"آپ۔۔۔ آپ اسی طرف سے آرہے ہیں۔" آذر کی بات سن کر اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں، بلکہ میں تو سوچ رہا تھا کہ اسی دروازے سے آؤں مگر تمہارے ڈر جانے کے خیال سے ارادہ ترک کردیا۔" وہ اس کی گھبراہٹ کو اس کے خوف پر محمول کرکے ہنس کر بولا۔

"نہیں نہیں۔ میں ڈرتی تو نہیں۔ بس ایک خیال سا بندھ جاتا ہے۔ یا پھر میرا وہم ہی ہوگا۔ اسی لیے تو میں نے کھٹکے کو بھی چیک کیا تھا۔" وہ سخت گڑبڑا رہی تھی۔

"لیکن تمہارا یہ وہم۔ میرا مطلب ہے اس کا کوئی سرپیر بھی ہے۔ کیا تمہیں کچھ نظر آتا ہے یا پھر کسی قسم کا احساس ہوتا ہے۔" اس نے غور سے عالیہ کی اتری اتری صورت دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں نظر تو کچھ بھی نہیں آتا۔ البتہ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی کمرے میں موجود ہے۔" عالیہ نے اس کی نظروں سے اپنے چہرے کے تاثرات چھپاتے ہوئے کہا۔

"پھر تو یقیناً کوئی جن وِن تم پر عاشق ہوگیا ہے۔ کسی پری زاد سے کم بھی تو نہیں ہو۔" وہ بڑے شریر سے انداز میں آنکھیں مٹکا کر بولا۔

"نہیں خدا نہ کرے۔" عالیہ نے ایک جھرجھری سی لے کر کہا تو وہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

"ہاں بس ایک ہی ہوا ہے۔" وہ اس کے مذاق اڑانے پر جھینپے جھینپے انداز میں مسکرا کر آہستہ سے بولی۔

"اچھا۔۔۔ مگر کون؟" اس نے بھنویں تان کر بڑے

مزاحیہ انداز میں پوچھا۔
"جو میری زندگی کا مختار کل ہے۔" عالیہ نے کسی قدر اپنی گھبراہٹ پر قابو پالیا تھا۔
"اوہ اچھا اچھا۔ پھر تو تمہیں کسی بھی چیز سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ تمہارے اس جن نے تو تمہیں پورا پورا تحفظ دے رکھا ہے۔" وہ عالیہ کی طرف بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھ کر بولا۔
"ہاں' اسی پر تو میری تمام تر زندگی کا دارومدار ہے۔" عالیہ نے بڑی خود سپردگی میں اس کے سینے سے سر ٹکا لیا۔
"اوہو بڑا ناز ہے تمہیں اس پر' مگر پھر بھی اسے بھوکا مارنے سے باز نہیں آتیں۔ معلوم بھی ہے آج لنچ کھانے کی مہلت بھی نہیں ملی۔"
"تو اور میں اس طرح اسٹینڈ ٹو کی حالت میں کھڑی کس لیے ہوں۔ مگر آپ تو مجھے اپنے پاس سے ہلنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔" عالیہ نے بڑے ناز سے کہا۔
"ہاں کیا کریں سخت مجبور ہیں' ورنہ اپنے بس میں ہوتا تو یہاں۔۔۔"
اس نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔
"ایک چھوٹی سی کوٹھڑی بنوا لیتے جس میں تم فٹ آجاتیں اور پھر دفتر کا کمرہ بند کر کے تمہیں نکال کر اپنے سامنے بٹھاتے اور فائلیں وغیرہ چیک کرتے۔" اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر ایسے حسرت بھرے لہجے میں کہا کہ عالیہ ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔ پھر ہنس لینے کے بعد قدرے سنجیدگی سے بولی۔
"ایسی باتیں نہ کیا کیجئے آذر! جو عالیہ کو کہیں کا نہ رکھیں۔"
"کیا مطلب ذرا وضاحت تو کرو۔" جوتے کے تسمے کھولتے کھولتے سیدھا ہو کر اس نے پوچھا۔
"کچھ نہیں' کچھ نہیں۔ آپ جلدی سے لباس تبدیل کریں۔ میں ابھی آئی ہوں۔"
عالیہ نے عجلت میں کہا اور پھر اسے انگوٹھا چڑا کر بھاگ گئی۔ اور وہ تصور ہی تصور میں اس پر مسکراہٹوں کی بجلیاں گراتا رہا۔
اس واقعے کے بعد جب اسے دیر ہو جاتی تو بار بار اس کا خیال عالیہ کی طرف ہی جاتا اور وہ بڑا فکر مند ہو جاتا۔ یہ سوچ سوچ کر کہ عالیہ ڈر رہی ہوگی۔ نا معلوم کیا چکر ہے۔ یعنی یہ محض وہم ہے اس کا' یا حقیقت ہی ہے۔ مجھے معلوم ہے ڈرنے کے باوجود وہ اوپر اماں کے پاس ہرگز نہ جائے گی۔ وہ تو اس کے لیے آسیب سے بھی زیادہ ڈراؤنی چیز ہو کر رہ گئی ہیں۔ خدا کرے کوئی آہی گیا ہو' تاکہ اس کا تھوڑا سا وقت تو اچھا کٹ جائے۔ کبھی کبھی تو وہ اتنا بے کل سا ہو اٹھتا کہ جلد جلد آدھا کام نمٹا کر باقی اپنے ماتحت کے حوالے کر دیتا اور بھاگم بھاگ گھر پہنچ جاتا۔ مگر روز روز تو ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اتفاق سے ہی کبھی ایسا موقع میسر آتا تھا۔

۔۔*

اس روز بھی وہ عالیہ کے ہی خیال سے جلد ہی اپنے آفس سے اٹھ آیا تھا۔ پچھلے واقعے کو بھی بہت دن گزر گئے تھے۔ اصل میں تو اسے عالیہ کے بغیر چین ہی نہ پڑتا تھا۔ وہ حسب دستور اپنی گاڑی شیڈ کے نیچے چھوڑ کر اندر آیا اور دروازے کا ہینڈل گھمایا تو خلاف معمول اس روز اندر سے دروازہ بند تھا۔ شاید عالیہ نے خوف کی وجہ سے کھٹکا لگا لیا ہے' اس نے سوچا اور دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ اندر سے کچھ ایسی آواز آئی جیسے کوئی آہستہ آہستہ باتیں کر رہا ہو۔ اسے سخت اچنبھا ہوا۔ ایک لمحے کو یہ خیال بھی دماغ میں رینگا کہ کہیں واقعی عالیہ پر کسی آسیب کا سایہ تو نہیں ہو گیا۔
مگر اس سے آگے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا کیونکہ اندر سے یکے بعد دیگرے کھٹکا گرنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ اس سے مزید صبر نہ ہو سکا۔ اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی اور زور سے بولا۔
"عالیہ۔ عالیہ سنو۔ میں آگیا ہوں۔"
اور اس کے ساتھ ہی عالیہ نے فوراً ہی کھٹکا کھول دیا۔ وہ تیزی سے اندر داخل ہوا تو سب سے پہلے اس کی نگاہ سامنے دروازے کے ہلتے ہوئے پردے پر ہی پڑی' اور پھر عالیہ کے سفید پڑتے چہرے پر۔
"کیا ہوا ہے۔۔۔" اس نے پوچھنا چاہا۔

"بی جی۔۔۔ آج تو۔۔۔ آج تو۔۔۔ پردہ بھی آپ ہی سرک گیا تھا۔" عالیہ غالباً "خوف کی وجہ سے ... نے لگی تھی۔

"اچھا۔" وہ بڑے تردد سے بولا اور پھر تیزی سے ... کی طرف بڑھ کر پردہ سرکایا اور دروازے کا ... کھول کر باہر جھانک کر دیکھا۔ پھر کھٹکا بند کر کے ... کی طرف مڑا تو وہ جھک کر قالین پر سے کوئی چیز ... اٹھاتی ہوئی بولی۔

"میں نے بھی ابھی ابھی کھٹکا کھول کر دیکھا تھا۔ مگر ... تو کچھ بھی نظر نہیں آیا۔"

"اچھا۔ بڑی ہمت کر لی تم نے، لیکن یہ پلیٹیں ... کیسے نظر آ رہی ہیں۔ کیا تم نے کھانا کھا لیا۔" ... کی نظر اچانک کارنر ٹیبل پر رکھی جھوٹی پلیٹوں پر ... تو اس نے پوچھا۔

"میں نے۔۔۔ ہاں۔۔۔ میں نے کھانا کھا لیا۔" وہ گڑبڑا کر بولی۔

"چلو خیر اچھا کیا۔" وہ یوں بولا جیسے کسی چیز کا نقصان ہو جانے کے بعد انسان مجبور ہو کر یہی کہتا ہے۔

"وہ دراصل مجھے آج بھوک بہت لگ رہی تھی۔ ... نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ مگر آپ کو ناگوار تو نہیں گزرا۔" وہ ندامت بھرے لہجے میں بولی مگر اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"ہاں ناگوار کیوں نہیں گزرا بلکہ سخت ناگوار گزرا ... تم اپنے آپ نگل ٹھونس کر بیٹھ گئیں۔ اور میں تمہاری وجہ سے ابھی تک بھوکا ہوں۔"

اس نے یہ بات مذاق میں کہی تھی یا سنجیدگی سے، عالیہ کوئی اندازہ نہ لگا سکی۔ کیونکہ اس کا لہجہ ناقابل فہم تھا۔

"اوہو۔۔۔ آپ تو سچ مچ ہی برا مان گئے۔ اچھا میں آپ کے ساتھ بھی کھا لوں گی۔" عالیہ اپنی مخصوص عادت کے مطابق اس کے بازو پر جھول کر بولی۔

"جی نہیں، معاف کیجئے۔ آپ کو بدہضمی کرا کر مجھے اپنی جان پر نہیں بنوانی۔ مجھے تو پہلے ہی زیادہ بھوک نہیں تھی۔ اب آپ کی خود غرضی نے رہی سہی بھی مٹا دی۔"

وہ لاڈ بھی کر رہا تھا اور ملامت بھی۔ جانے کیسا عجیب سا موڈ ہو رہا تھا اس کا کہ عالیہ کا دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کی سرتوڑ کوشش میں مصروف تھی۔

"سنیے آذر! اس دفعہ معاف کر دیجئے آئندہ کان پکڑ کر توبہ کرتی ہوں کہ آپ کے بغیر کبھی کھانا نہ کھاؤں گی۔" اس نے فرش پر دو زانو ہو کر بیٹھتے ہوئے آذر کے گھٹنے پکڑ لیے۔

"یہ کیا حماقت ہے، بھئی واہ۔ تم تو ذرا سا مذاق بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔" اس نے جھک کر اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میں نے تو تم سے ہزار بار کہا ہے کہ تم میرے انتظار میں نہ بیٹھا کرو۔ مگر تم مانتی ہی نہیں ہو اور میں بھی تمہاری وجہ سے وہاں کچھ نہیں کھاتا۔ سوچتا ہوں کہ جب تم میرے بغیر نوالہ ہی نہیں توڑتیں تو پھر میں تمہارے ساتھ ہی کیوں نہ کھاؤں۔"

"اچھا اچھا جی۔ بڑی نوازش ہے آپ کی، مگر کم از کم تھال تو نہ چھوڑا کریں۔ کفران نعمت میں شمار ہوتا ہے۔" عالیہ بڑے چلبلے سے انداز میں بولی۔

"خیر شکر ہے مال تو یہاں بھی تر ہی ملتا ہے۔ اچھا ایسا کرو میرے لیے ایک کپ چائے بنا لاؤ۔ مگر ٹھہرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں، ورنہ وہ تمہارا عاشق واشق نظر آ گیا تو۔۔۔"

"اف۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

عالیہ نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"اب مجھے ایسا ڈر بھی نہیں لگتا۔"

"اچھا تو پھر جاؤ۔ تمہیں اللہ کو سونپا۔" اس نے شریر سے لہجے میں کہا۔ اور عالیہ ہنستی ہوئی اندر چلی گئی۔ کچھ عجیب سی ہو گئی ہے عالیہ بھی۔ اس نے پہلی بار عالیہ کے مزاج اور عادتوں میں ایک نمایاں تغیر محسوس کر کے سوچا۔ کبھی ڈرتی ہے کبھی گھبرا جاتی ہے کبھی پریشان ہو اٹھتی ہے اور کبھی چہنے لگتی ہے۔ آخر کس وجہ سے وہ اتنی بدل گئی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ کچھ محسوس کرتی ہے مگر اب وہ آ جائے تو

اس سے پوچھوں کہ کیا اس کے یہ احساسات یا تاثرات عین میرے آنے کے وقت پر ہی ہوتے ہیں یا کسی اور وقت بھی۔ نو بجے تک تو بچے خاصی چہل پہل رہتی ہے۔ وہ تو آج کل ابا میاں کی علالت کی وجہ سے ان کے دوست احباب نہیں آ رہے ورنہ یہاں تو رات گئے تک ملنے جلنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

اور جب وہ اس کے لیے چائے لے کر آئی تو اس نے اس سے پوچھ ہی لیا۔ عالیہ ایک لمحے کو ٹھٹک گئی پھر اپنا گلا صاف کر کے بولی۔

”اس نکتے پر تو میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا لیکن۔ لیکن اندازہ ہے کہ یہ سب آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے ہی محسوس ہوتا ہے۔“

”ہوں تو ان حضرت کو مجھ سے رقابت پیدا ہو گئی ہے۔“ وہ مذاق پر اتر آیا۔

”اف توبہ، ایسی باتیں کر کے تو آپ مجھے اور بھی ڈرا دیتے ہیں۔“ عالیہ منہ پھلا کر بولی۔

”ارے ڈرنے کی کیا بات ہے، ہماری موجودگی میں تو یہاں پتنگے کا بچہ بھی پر نہیں مار سکتا۔“ اس نے مضبوطی سے عالیہ کو تھام کر کہا، تو وہ اس کے پتنگے کا بچہ کہنے پر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی۔ وہ باتیں ہی ایسی کرتا تھا کہ عالیہ کی روح تک شاداب ہو جاتی تھی۔

چائے پینے کے بعد اس نے اپنے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”یہ کپ یہیں رکھ دو اور جلدی سے آ کر لیٹ جاؤ، آج تمام دن ایک منٹ بھی مجھے بیٹھنے کی مہلت نہیں ملی۔ سارا بدن تھکن سے چور چور ہو رہا ہے۔“ اور عالیہ نے بلا توقف اس کے کہنے پر عمل کیا اور جلدی سے پڑ کر سو گئی۔

مگر تھکن کے باوجود آذر کو نیند نہ آئی۔ وہ معمولی سی بات جسے بے حقیقت اور محض عالیہ کا وہم سمجھ کر وہ اب تک مذاق میں ہی اڑاتا آ رہا تھا۔ اس کے لیے ایک قابل غور مسئلہ بن چکی تھی۔ شاید اس لیے کہ اسے کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ عالیہ اس سے کچھ چھپا رہی ہے۔ اگر اس قدر ڈرپوک اور کمزور دل کی تھی اور کسی احساس سے خوفزدہ بھی تھی تو پھر اتنی رات گئے اس قدر خوف و دہشت کے عالم میں دروازے کا کھٹکا کھول کر باہر دیکھنا کیا معنی رکھتا تھا۔ اور وہ خوفزدہ نہیں گھبرائی گھبرائی سی اور پریشان لگتی تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر، خیر ہو گا کچھ یہ آج کل کی لڑکیاں تو مکھی اور مچھر سے بھی ڈرتی ہیں۔ وہ اس عقدے کو حل نہ کر سکا تو تنگ آ کر سو گیا۔

--*

کئی روز بہت سکون سے گزر گئے تھے۔ وہ جب بھی آفس سے آتا۔ اسی سلسلے میں عالیہ سے مذاق کرتا رہا۔ اور عالیہ بڑی خوبصورتی سے بات گھما دیتی۔ ایک دن اس نے عالیہ کو چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

”سنو، اب وہ تمہارا عاشق نامراد یہاں کبھی نہیں آئے گا کیونکہ اسے میری طاقت اور اختیارات کا اندازہ ہو گیا ہے کہ میں کتنا جلاد اور جبلی قوتوں کا مالک ہوں۔“

اور عالیہ بگڑ کر بولی۔

”میں جتنا اپنے ڈر اور خوف کو زائل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ آپ ایسی باتیں کر کے اسے اور بھی ابھارتے رہتے ہیں۔ آپ تو میری زندگی میں برابر کے شریک ہیں۔ آپ کو تو میری ہمت بندھانی چاہیے۔“ عالیہ اس کے مذاق پر اس قدر سنجیدہ ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کی دل شکنی کے خیال سے اس نے پھر اس موضوع پر کبھی بات ہی نہیں کی۔ پھر تو جیسے بات آئی گئی ہو گئی۔

--*

مگر اس رات اس نے اتفاق سے اپنا سارا کام جلد ہی نمٹا لیا تھا۔ سوا آٹھ بج رہے تھے جب گھر جانے کے ارادے سے آفس سے اٹھا تو راستے میں ایک دم ہی اسے خیال آیا کہ کیوں نہ آج کوئی پکچر دیکھی جائے۔ ابھی تو پکچر شروع ہونے میں کافی وقت ہے اور اصل پکچر تو انٹرول کے بعد ہی شروع ہوتی ہے۔ ویسے بھی کافی دن سے کوئی پکچر نہیں دیکھی۔ بس یہی سب سوچ کر اس نے شہر کے سینما ہاؤس میں چلتی انگلش فلم کے لیے دو سیٹیں ریزرو کرائیں اور خوش خوش گھر پہنچا۔ کار شیڈ میں چھوڑنے کے بجائے پورچ میں

روکی اور تیزی سے اپنی خوابگاہ کا رخ کیا۔ مگر خوابگاہ کے قریب آکر اس خیال سے رک گیا کہ عالیہ کو تھوڑا سا سرپرائز ضرور دے گا کیونکہ وہ فلموں کی دیوانی تھی۔ مگر آج تک کبھی اپنے منہ سے نہیں کہا کہ مجھے پکچر دکھا دو۔ اس نے اپنے دل میں عالیہ کے لیے ایک عقیدت سی محسوس کرکے سوچا اور پھر ہینڈل گھمانا چاہا مگر بڑھتا ہوا ہاتھ معلق ہو کر رہ گیا۔ کیونکہ اندر سے سرگوشیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ تجسس کے شدید غلبے نے اسے دروازے سے کان لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اندر خوابگاہ میں کھسر پھسر بھی ہو رہی تھی اور عالیہ کی منت سماجت کرتی سرگوشیاں بھی جاری تھیں۔ مگر ان آوازوں پر ایک مردانہ بھاری اور دبی دبی آواز حد درجہ غالب تھی۔ جسے وہ بڑی آسانی سے سن رہا تھا۔ تھوڑی دیر باہر رک کر وہ ان مبہم اور پراسرار سرگوشیوں سے کوئی اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا پھر غیرت نفس نے جوش مارا تو اس نے دروازہ توڑنے کے سے انداز میں زور سے کھولا' اور اس کے بعد وہ کچھ ہوا جو وہ کبھی سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ یعنی اس نے عالیہ پر سختی کی' اور اس سے بدکلامی سے بھی پیش آیا لیکن پھر بھی اس نے کسی طرح قبول نہیں کیا۔ اس پر بھی وہ عالیہ کے کسی عذر بہانے کو ماننے پر تیار ہی نہیں تھا۔ عالیہ نے اس کے خیال میں اس کے اعتماد کو بری طرح مجروح کیا تھا۔ اس نے خود اپنے کانوں سے کسی مرد کی آواز سنی تھی۔ اور یہ اس کی سماعت کا کوئی دھوکا تھا نہ کسی غلط فہمی کی بنا پر ایسا سمجھ بیٹھا تھا۔

بہت سی باتیں جنہیں انسان معمولی اور بے حقیقت سمجھ کر نظرانداز کر دیتا ہے یا کرتا رہتا ہے اور جب سنجیدگی اختیار کرتی ہیں یا انسان کی زندگی پر اثر انداز ہونے لگتی ہیں تو انسان کے احساسات اتنے نازک اور رقیق ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کے حقیر سے حقیر پہلو کو غور اور توجہ کے لائق سمجھنے لگتا ہے اور اسے بھی اب ہی یہ سارے احساسات ہو رہے تھے۔ اپنی تین سالہ ازدواجی زندگی میں پہلی بار عالیہ سے متعلق ہر بات کا احساس اسے آج ہی ہوا تھا۔

اماں اور اس کی بڑی بہن صالحہ نے جنہیں وہ اور اس کے دونوں چھوٹے بہن بھائی باجی کہتے تھے۔ کچھ دنوں سے اس سے شادی کرنے کا مطالبہ کر کر کے اس کی جان عذاب میں کر رکھی تھی۔ یوں تو وہ بھی اب شادی کرنے کی پوزیشن میں آگیا تھا۔ کیونکہ پچھلے دو سال سے برسر روزگار تھا۔ بڑی بہن کی شادی بھی ڈیڑھ سال پہلے ہو چکی تھی۔ مگر اس کی والدہ چونکہ گھریلو سیاست میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں اور بڑے چلن کی خاتون تھیں۔ اس لیے پورے دو برس تک تو بیٹے کی کمائی پس انداز کرنے اور اپنے اخراجات پورے کرنے کی غرض سے انہوں نے بیٹے کی شادی کے سلسلے میں منہ سے بھاپ بھی نہ نکالی تھی۔ مگر اب شاید ان کا کوٹا پورا ہو گیا تھا۔ یا پھر اس وجہ سے کہ اچھی اور خاندانی لڑکیوں کی ارزانی تھی۔ اتفاق سے ان دنوں بہن بھی میکے آئی ہوئی تھی۔ اور بس اماں پر ایک دم ہی اس کی شادی کرنے کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ سارا دن بیٹی کو لیے ایک ایک گھر جھانکتی اور ایک ایک در کی خاک چھانتی پھرتی تھیں اور گھر آکر جب بھی سب کو یکجا ہو کر بیٹھنے کا موقع ملتا تو شروع ہو جاتیں اسے لیکچر پلانے کہ بیٹا بس اب تم شادی کرلو۔ صالحہ بھی اپنے گھر کی ہو گئی ہے اور صائمہ کو اپنی پڑھائی لکھائی سے فرصت نہیں ملتی۔ بہو آجائے گی تو گھر میں کچھ رونق ہوگی اور میرا ہاتھ بھی بٹائے گی۔" اصل میں انکار تو اسے بھی نہیں تھا مگر بعض ذمہ داریاں اس کے کاندھوں پر ایسی پڑی تھیں کہ وہ شادی کرنے سے ہچکچاتا تھا۔ سب سے بڑھ کر تو خود اس کی والدہ ہی وجہ اجتناب بنی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی ماں کی ذہنیت اور عادت مزاج سے بخوبی واقف تھا کہ وہ اپنی بہو کو خوش رکھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتیں۔ انہوں نے مزاج ہی کچھ ایسا پایا تھا۔ حالانکہ سدا اچھے میں کھیلتی رہی تھیں مگر اس کے باوجود پیسے کی چاہ بہت تھی۔ اس پر ہر ایک پر نکتہ چینی ضرور کرتی تھیں۔ مزاج کی بھی ذرا تیز تھیں اور اپنے آگے کسی کی چلنے نہیں دیتی تھیں' اس پر خیالات اور دماغ اتنے اونچے کہ ان کا بس چلتا تو کسی بادشاہ زادی کو ہی بیاہ کر لاتیں۔ ادھر باپ پر جب سے فالج گرا تھا۔ ان کا سارا

کاروبار تقریباً ٹھپ ہی ہو کر رہ گیا تھا۔ چھوٹا بھائی ناظم اور چھوٹی بہن صائمہ ابھی زیرِ تعلیم تھے۔ بس ان ہی ساری باتوں کے پیشِ نظر وہ اپنی شادی رچا کر بندھ جانے کے حق میں نہ تھا۔ جبکہ مالی پریشانی کا بھی کوئی مسئلہ حائل نہ تھا۔ اماں کے پاس اتنا تھا کہ کاروبار بالکل ٹھپ بھی ہو جاتا تو ساری عمر خوب پیر پسار کر بے فکری سے کھا اور کھلا سکتی تھیں۔ وہ تو انہیں کچھ نہ نہ کرنے کی عادت ہی ہو گئی تھی اور بس اماں کی اسی عادت سے اسے شدید اختلاف تھا۔ کیونکہ وہ بھی پورے دو سال سے اپنی پوری تنخواہ بچت اور اماں کی بزرگی کے خیال سے یونہی کی یونہی ان کے ہاتھ پر لا کر رکھ دیتا تھا۔ ابا کے پاس خاصی وسیع جائیداد بھی تھی اور زمینیں بھی۔ ان کا کاروبار مندا ضرور پڑ گیا تھا۔ مگر تھوڑی بہت آمدنی تو ہو ہی جاتی تھی۔ اس پر بھی اماں کفرانِ نعمت کی انتہا کر دیتی تھیں اور ان کی اسی بات سے اسے سخت چڑ تھی۔

کچھ ہی روز بعد اماں اور بہن نے بالآخر بھانت بھانت کی لڑکیوں میں سے ایک کا انتخاب کر ہی لیا۔ اور اب اس کی تو جیسے شامت ہی آ گئی۔ جب دیکھو لڑکی اور لڑکی کے خاندان والوں کے قصے اور قصیدے۔ کبھی موڈ میں ہوتا تو وہ بھی دلچسپی سے سنتا رہتا اور اگر موڈ میں نہ ہوتا تو اٹھ کر چلا جاتا۔ مگر اب اس معاملے میں اس کی اماں بڑی سنجیدگی سے ایکشن لینے کی ٹھان چکی تھیں اور اس کے لیے یہی کیا کم اچنبھے کی بات تھی کہ ڈنڈی مارنے کی پختہ عادت کے باوجود اماں کے معیار کے ترازو میں کوئی لڑکی پوری اتر آئی ہے۔ ایک دن وہ اپنی قمیص میں بٹن لگوانے صالحہ کے پاس پہنچا تو اماں بھی عقبی سمت کے بیچ نما درے میں صالحہ کے پاس دیوان پر بیٹھی اپنے لیے پان بنا رہی تھیں۔ وہ بھی وہیں ان کے پاس ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اماں تو جیسے اس کی گھات ہی میں بیٹھی تھیں فوراً" شروع ہو گئیں۔

"بھئی کو ایسے ہفت ہزاری تو نہیں مگر حیثیت تو رئیسوں کی سی بنا رکھی ہے اور بھئی سب سے بڑھ کر تو شریف لوگ ہیں۔ لڑکی بھی ہیرا ہے ہیرا۔"

"جی ہاں امی! ایسی باحیا اور نیک اطوار لڑکیاں تو آج کل ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتیں۔ اس پر اخلاق اور خوش مزاجی کا یہ عالم کہ بات کرتی ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔"

بہن نے فوراً" لقمہ دیا اور اس نے ہنس کر دل میں سوچا۔ یہ تو کسی پرستانی مخلوق کی خصلتیں بتا رہی ہیں۔

"خیر وہ تو ہے ہی مگر بہنوں میں سب سے بڑی بھی تو ہے گویا ان لوگوں کا یہ پہلا کار ہو گا۔ ظاہر ہے بڑھ چڑھ کر ہی دیں گے۔" اماں نے پان کی گلوری بنا کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا اور پھر سروتا اٹھا کر چھالیہ کترنے لگیں۔

"کیوں نہیں اماں! خدا نہ کرے ایسے گئے گزرے بھی نہیں ہیں۔ خالہ رشیدہ کہہ رہی تھیں کہ کبھی ان کے نام کا طوطی بولتا تھا سارے زمانے میں۔ وہی مثل ہے کہ مرا ہاتھی پھر بھی سوا لاکھ کا۔ دیں گے تو ایسا کہ دنیا اش اش کر اٹھے گی۔"

اس کی بہن نے کہا تو اس نے سوچا۔ بھلا یہ لینے دینے کی بات کیوں نکلی ہے۔ مگر کچھ بولا نہیں۔

"اے ہاں یوں تو غریب سے غریب آدمی بھی اپنی گڑیا کو سنوار کر ہی دیتا ہے۔ پھر بھلا وہ لوگ کیوں نہیں دیں گے۔ میں تو کہتی ہوں کہ اللہ کا نام لے کر ہامی بھر لو آزر بیٹے۔ اچھے رشتے بار بار نہیں ملتے خواہ لڑکے کے ہوں یا لڑکی کے۔"

اماں نے براہ راست اسے مخاطب کر کے کہا تو وہ بھی ماں اور بہن کے روز روز کے تقاضے سنتے سنتے عاجز آگیا تھا۔ اسے بالآخر ہتھیار ڈالنے ہی پڑے۔ بڑی بے دلی سے بولا۔

"اچھا اماں! اگر آپ اسی قدر بضد ہیں تو پھر مجھے بھلا کب انکار ہو سکتا ہے؟"

اور پھر وہ اپنی قمیص بہن کے ہاتھ سے لے کر وہاں سے اٹھ گیا۔ یہ تو اسے معلوم ہی نہ ہوا کہ اس کے ہامی بھرنے کے بعد ماں اور بہن نے مل کر کیا کارروائی کی۔ کیونکہ عالیہ کے گھر تک اس کا پیغام پہنچایا۔ مگر چند ہی روز بعد ایک دن اس کی بہن نے خوشی سے جھومتے

ہوئے اسے بتایا کہ "وہ ہے تمہارے لیے ہی بھری گئی ہے۔ مگر اماں چونکہ منگنی کرنے کی قائل نہیں اس لیے سیدھی بات ہی ٹھہرادیں گی۔ انہیں تو پہلے ہی تمہاری شادی کرنے کی جلدی ہے اور ویسے بھی دو ڈیڑھ ماہ کے لیے منگنی کرنا کچھ مناسب نہیں۔"

مگر اس نے اپنی بہن کی مصلحت آمیز باتوں کو جیسے سنا ہی نہیں۔ وہ تو غصے سے بل کھا کر رہ گیا کہ اماں اور بہن نے لڑکی دکھائے بغیر ہی سارے معاملات طے کر لیے اور سارا پروگرام بھی مرتب کر لیا۔

"باجی! میں نے اماں کی ہر بات بے چون وچرا مان لی۔ مگر اب یہ تو کسی قیمت پر بھی مجھے گوارا نہیں کہ لڑکی کو دیکھے بغیر شادی کرنے پر آمادہ ہو جاؤں۔ آنکھیں بند کر کے ایک ایسی لڑکی کا ہاتھ تھام لوں جسے میں نے دیکھا تک نہ ہو اور جو زندگی کی رفاقت میں میری برابر کی شریک ہوگی۔"

"ارے تو یہ کون سا ایسا مشکل کام ہے۔ تم عالیہ کو دیکھنا ہی چاہتے ہو تو اسے دکھانے کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ ابھی تمہاری بات تو نہیں ٹھہری۔ وہ لوگ خود تم کو دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ جب چاہو وہاں جاسکتے ہو۔"

بہن نے اسے ٹھنڈا کرنے کی غرض سے بڑی رسانیت سے سمجھایا۔ تب کہیں جاکر اس کا غصہ فرو ہوا۔

اس کے بعد جلد ہی اس کی ماں اور بہن اسے عالیہ کے یہاں لے گئیں۔ ماڈرن نہ اس کا گھرانہ تھا نہ عالیہ کا۔ بس عالیہ کی اسے ایک جھلک سی دکھائی گئی تھی۔ وہ خود بھی کسی سے کم نہ تھا مگر عالیہ کی بس ایک ہی جھلک اسے خود سے بیگانہ کر گئی تھی۔ بر دکھوے کے فوراً ہی بعد ایک طاق دن اور طاق تاریخ میں ان دونوں کی نسبت قرار پائی تھی۔ اس کی ماں اور بہن کو تو شادی کی بہت جلدی تھی۔ مگر عالیہ کی والدہ چھ سات ماہ سے پہلے کسی طرح ان کی شادی کرنے کے لیے آمادہ ہی نہ ہوتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ میرا پہلا کارج ہے اور ابھی تو میں نے عالیہ کا ڈھنگ سے جہیز بھی نہیں بنایا۔ عذر یہ تھا کہ پہلے سے جوڑے ٹانک کر رکھو تو یہاں کی سیلی ہوئی آب وہوا سے مسالے کی آب چلی جاتی ہے' اور اگر نہ بھی ٹانکو تو لڑکیاں چپکے چپکے نکال نکال کر پہن لیتی ہیں۔ اصل میں عالیہ کے والد حیات نہ تھے۔ ایک بڑا لڑکا تھا اور چار بیٹیاں۔ گو اچھے معقول لوگ تھے۔ مگر منگائی کی وجہ سے ہر چیز پر تو آگ برس رہی تھی۔ مگر اماں نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ بہن ہمیں تو کچھ نہیں چاہیے۔ یہی کیا کم ہے کہ آپ ایک انمول ہیرا ہمارے سپرد کر رہے ہیں۔ بس آپ تو اللہ کا نام لے کر تاریخ مقرر کر دیجئے۔ باقی جو کمی بیشی ہوگی ہم پوری کر دیں گے۔ گو مجھے معلوم ہے کہ آپ کا یہ پہلا کارج ہے' پہلی خوشی ہے اور آپ جو نہ دیں وہ کم ہے۔ آپ کے دل میں بھی بڑے ارمان ہوں گے مگر ہمیں تو شادی سے مطلب ہے۔ ہمارے بیٹے کا گھر جلد از جلد بس جائے۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ باقی باتوں کی آپ فکر نہ کریں۔"

"نہیں۔ یہ تو آپ کی محبت ہے ورنہ اب میں ایسی گئی گزری بھی نہیں کہ بیٹی کو غریبانہ طور پر کچھ نہ دوں' ویسے بھی خالی بیٹی کون دیتا ہے۔" عالیہ کی امی اس کی ماں کے خلوص سے متاثر ہو کر بولیں۔

"وہ خالہ جان! ذرا ہمیں بھی تو بتائیے کہ آخر آپ کیا کیا دینے کا ارادہ رکھتی ہیں۔" اس کی بہن نے بڑی دلچسپی کا اظہار کر کے پوچھا۔

"اے بیٹی! بس اپنی بساط کے مطابق ہی دوں گی۔" عالیہ کی امی نے مسکرا کر کہا۔

"اے صالحہ! تم بھی بعض وقت بالکل بچوں کی سی باتیں کرتی ہو۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اللہ رکھے ان کے گھر کی پہلی خوشی ہے۔ کیا یہ اپنے دل کے ارمان نہیں نکالیں گی۔" آزر کی اماں نے جس انداز میں اپنی بیٹی کی فہمائش کی۔ عالیہ کی امی پہلو بدل کر رہ گئیں۔

"ارمان کس کے دل میں نہیں ہوتے۔ اور بیٹی والے جتنا بھی دیں کم ہی ہوتا ہے۔ وہ تم نے سنا نہیں شاید پرانے وقتوں میں جبکہ سستے زمانے تھے۔ ایک باپ نے بیٹی کو مکان' زمین' لاکھوں کا جہیز' زیور پاتا' غرض یہ کہ ہر نعمت دی تھی۔ حتیٰ کہ دولہا کے لیے

گھوڑا بھی۔ اور تو اور بارات میں دولہا دلہن پر سے
سونے چاندی کی کھجڑی نچھاور کرائی تھی مگر جب لڑکی
سارے ساز و سامان کے ساتھ سسرال پہنچی تو دولہا نے
ساری چیزوں پر ایک نظر ڈال کر ناک چڑھا کر کہا۔
"ہونہہ ہمسرے نے سب کچھ دے دیا پر گھوڑے
کی زین تو دی نہیں۔"
اور اس حکایت پر تو صالحہ کا ہنستے ہنستے برا حال
ہو گیا۔ مگر اماں ذرا سنجیدہ ہو کر بولیں۔
"مگر ہم اتنے ناشکرے نہیں ہیں بہن! آپ جو کچھ
بھی دے دیں گی وہی ہمارے لیے بہت ہو گا۔ اور میں تو
کہتی ہوں کہ کچھ دینے کی ضرورت ہی نہیں۔"
اماں نے لاکھ کوشش کر لی۔ مگر عالیہ کی امی تاریخ
مقرر کرنے پر رضامند نہ ہوئیں۔ اصل میں اماں کی
عادت ہر بات کو جلد از جلد انجام تک پہنچانے کی تھی
اور بس وہ چاہتی تھیں کہ گھڑی کی چوتھائی میں شادی ہو
جائے۔ ورنہ ایسی عجلت بھی نہیں تھی اس کی شادی
کی۔

——*

پانچ چھ ماہ کا عرصہ بھی پلک جھپکتے میں گزر گیا تھا۔
اور شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ اس لیے دونوں
طرف زور و شور سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ گو لڑکے
کی بری بازار میں کھڑی کے مصداق لڑکے کی ماں
ہونے کی وجہ سے اماں کو ایسی تیاریاں نہیں کرنی پڑ
رہی تھیں۔ پھر بھی سینکڑوں کام ہوتے ہیں۔ کارڈ
چھپوانا' دعوت نامے بانٹنا اور بہت سے کام۔ جن میں
اماں اور بہن ہمہ تن مصروف رہتی تھیں۔ اطمینان
ہی اطمینان تھا۔ اس لیے بیٹھے ہی بیٹھے حکم چلایا کرتی
تھیں۔ وہ بھی بالکل ہی ایک نئے اور انوکھے تجربے
سے دوچار ہونے والا تھا اور پھر یہ اس کا ہی معاملہ تھا
اس لیے گھر کی باتوں میں بڑی دلچسپی لینے لگا تھا۔ عالیہ کا
گھرانہ پرانی روایات کا اسیر تھا۔ ادھر اماں سخت
قدامت پرست۔ بیچارہ عالیہ کو دیکھنے اور اس سے ملنے
کی خواہش میں اپنا دل مار کر رہ جاتا تھا۔ بس بہنیں اور
بھائی ہی ہر وقت چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے تھے۔ یا پھر
صالحہ عالیہ سے متعلق کوئی بات سنانے بیٹھ جاتی تھی۔
اس جستجو میں اماں اور بہنوں کے پاس آکر بیٹھ جاتا کہ
عالیہ کا کچھ ذکر ہی سن لے۔
اور اس دن بھی وہ ماں اور بہنوں میں آکر بیٹھا تو
اماں جو صالحہ سے باتیں کر رہی تھیں کہنے لگیں۔
"اے ہاں ان لوگوں نے خواہ مخواہ ہی دیر لگائی۔
اللہ کا دیا سب کچھ تو ہے ان کے پاس پھر نا معلوم بیٹی کو
ایسا کیا دینا چاہتی ہیں جواب بھی بڑی مشکل سے تیار
ہوئی ہیں تاریخ مقرر کرنے کے لیے۔"
"لیجیے اماں! آخر کو لڑکی کا معاملہ ہے۔ کوئی لڑکا تو
نہیں کہ دو چار جوڑے کھڑے کھڑے بازار سے خرید
کر بری میں لگا دیے۔ اور ان کی باتوں سے معلوم ہوتا
ہے کہ بڑا بھاری جہیز دیں گی بیٹی کو' کبھی تو دنوں سے
تیاریاں کر رہی ہیں۔"
"ہاں دیکھو کیا دیتی ہیں' بے چاری بیوہ بھی تو
ہیں۔ شوہر سر پر موجود ہو تو عورت کا دل شیر رہتا
ہے؟" اماں نے گود کے میوے کو چھان پھٹک کرنے
میں رکھتے ہوئے کہا۔
"بیوہ بھی ہیں تو حیثیت میں تو ہمارے برابر ہی ہیں
اور سب سے بڑھ کر دل کی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔
آپ نے دیکھا نہیں کہ جب بھی ہم جاتے ہیں تو کس
طرح ہماری خاطروں میں بچھ بچھ جاتی ہیں۔" صالحہ
بری کے خوان پوشوں میں کرن ٹانکتے ہوئے بولی۔
"ہاں' دل والی تو بہت ہیں اور پھر بیٹی کے لیے تو
کنجوس سے کنجوس بھی دل بڑا کر لیتے ہیں۔ ان کا تو ہاتھ
بھی کھلا ہوا ہے۔"
"ہاں اماں! مگر یہ تو میں مان ہی نہیں سکتی کہ انہوں
نے عالیہ کے لیے پہلے سے کچھ جمع ہی نہ کیا ہو۔"
"تو بھلا کیوں نہ کیا ہو گا۔ بیٹی پیدا ہوتی ہے تو چلن
کے لوگ چھٹی چھوچھک سے ہی اس کی نیت سے
چیزیں جمع کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ اور میرے خیال
میں تو یہ لوگ فریز' ٹی وی اور گاڑی بھی دیں گے۔"
اماں ہمیشہ فریج کو فریز ہی کہتی تھیں۔
"ہاں دیں گی کیوں نہیں' نہیں دیں گی تو ہم مانگ کر
لے لیں گے۔" صالحہ کچھ دھونس جماتی ہوئی بولی۔
"میرے خیال میں اپنے منہ سے کہنا کچھ مناسب

نہیں۔ ہم سیدھے سبھاؤ ان سے پوچھ لیں گے۔"
اماں پر خیال انداز میں بولیں۔ تو وہ جو عالیہ کا ذکر سننے کے شوق میں آکر بیٹھا تھا۔ ماں اور بہن کی فضول سی باتوں پر جھلا کر بولا۔

"مگر اماں! یہ آپ جہیز وغیرہ کا ذکر کیوں لے بیٹھتی ہیں۔ ہمارے پاس تو ایک چھوڑ دو فرج' ٹی وی' ریڈیو گرام گاڑی سب کچھ ہی موجود ہے پھر ان لوگوں سے کچھ پوچھنے کی کیا ضرورت۔"

"لو (اے لو) بھلا ضرورت کیوں نہیں۔ گھر میں خواہ لاکھ چیزیں موجود ہوں۔ مگر لڑکی کی لائی ہوئی چیزوں کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ ایک تو سب کی نظروں میں اس کی قدر و منزلت بڑھتی ہے دوسرے یہ ساری چیزیں اس کی اپنی ہوتی ہیں۔ اور پھر سسرال کی چیزوں پر لڑکی کا حق ہی کیا ہوتا ہے۔ وہ تو لڑکے کے والدین اور بہن بھائیوں کی ہوتی ہیں نا۔" اماں نے اسے جہیز کا فلسفہ سمجھاتے ہوئے تمام نزاکتوں سے آگاہ کیا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"یہ بھی خوب ہے اماں! لڑکی تو گھر کی عزت اور گھر ہی کا ایک فرد بن کر آتی ہے۔ پھر یہ کہنا کہ سسرال کی چیزوں پر کوئی حق نہیں ہوتا اپنی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"ارے تم ان باتوں کو کیا جانو بھیا۔ سدا سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ اب ہمیں ہی دیکھ لو۔ ہمیں تو اماں نے اتنا دیا تھا کہ کیا کوئی بادشاہ اپنی بیٹی کو دے گا۔ پھر بھی ہمارے سسرال والوں کی کچھ بھا دیں ہی نہ آیا۔ اور اس پر مزے کی بات یہ کہ ہماری ہی چیزوں پر حق ایسا جمایا جاتا ہے جیسے ان کے باپ دادا ہی کی ہوں۔" صالحہ نے کہا۔

"ارے ہاں اسے کیا معلوم' یہ تو بس مزے سے عیش کرنا ہی جانتا ہے۔ تمہاری سسرال والوں نے تو فرمائشیں کر کر کے میرا جینا حرام کر دیا تھا۔ گاڑی فرج' ٹی وی اور وہ موا کیا ہوتا ہے' ہاں وہ ریڈیو گرام' سلائی مشین' کپڑے دھونے کی مشین' بجلی کا بڑا چولہا' منہ پھوڑ کر ساری چیزیں مانگی تھیں۔ اور تو اور تینوں بھائیوں' چاروں بہنوں' بہنوئیوں' بہوؤں' بھانجیوں' بھانجوں اور خود بڈھے بڈھیا کے لیے پہناؤنیاں بھی مانگی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو پیٹ کی اولاد کے لیے بھی مانگ لیتے' پورے سات لاکھ خرچ ہوئے تھے صالحہ کی شادی پر۔"

"نہیں بلکہ کہیں زیادہ اماں۔ آپ نے آدھا جہیز تو بہت پہلے ہی تیار کر لیا تھا۔ اور وہ زیورات کے چار سیٹ' سچے موتیوں کا ست لڑا' چندن ہار اور کنٹھی' گریبان کے بٹن اور سونے کا جوڑا۔ وہ تو لگایا ہی نہیں آپ نے حساب میں۔"

"ہاں ہاں وہ بھی دو لاکھ کی مالیت کا ہی ہو گا۔ ان لوگوں نے تو گیلے کپڑے کی طرح نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ خیر اب میں اپنے بیٹے کی شادی پر ساری کسر نکال لوں گی۔ آخر میں نے بھی تو صالحہ کی شادی پر اتنا پیسہ خرچ کیا ہے؟"

"ہاں اماں! ہم بھی پہناوے لیں گے مگر کچھ زیادہ تو نہیں ہوں گی' باجی کی' دولہا بھائی کی' صبیح (صالحہ کا بیٹا) اعظم بھائی کی اس طرح ابا کی اور آپ کی کل سات ہی تو ہوں گی نا۔" صائمہ نے خوش ہو کر کہا۔

"مگر اماں! کیا پہناونیوں میں صرف جوڑے ہی آتے ہیں۔" اپنی بات کہہ کر صائمہ نے پوچھا۔

"نہیں زیور۔ پاتا اسکوٹر اور بہت سی قیمتی چیزیں بھی دی جاتی ہیں۔" اماں کے بجائے صالحہ نے جواب دیا۔

"ہاں اور کیا' یہ تو لڑکے والوں کی مانگ پر منحصر ہوتا ہے' وہ پھوپھی جو تم ہیں نا ان کے بیٹے کی شادی پر تو ان لوگوں نے اپنے دونوں بہنوئیوں کے لیے اسکوٹر اور بہنوں کے لیے زیور مانگے تھے۔" اماں نے بتایا۔

"پھر تو ٹھیک ہے اماں! آپ بھی میرے لیے سیٹ اور اعظم بھیا کے لیے اسکوٹر مانگ لیں اور ہاں صبیح کے لیے تو اے کار باجی اور دولہا بھائی کو جوڑے ہی کافی ہوں گے۔" صائمہ بولی۔

"لاحول ولا۔" نوزلان کی باتوں پر جز بز سا ہو کر بولا

"اے لاحول ولا کیسی' یہ تو دستور دنیا ہے وہی مثل ہے کہ کیا نقد سودا خوب ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ اے یہ شادی بیاہ کا معاملہ تو ایک سودا ہی ہوتا

ہے جتنا میں نے اپنی لڑکی کو دیا اتنا ہی بسو سے لے لیا۔

"اچھا دستور ہے اماں! معلوم ہوتا ہے جیسے شادی نہیں بٹے بازی ہو رہی ہے یہ تو کھلا ہوا جوا ہوا۔" وہ تیوری چڑھا کر بولا۔

"نہیں خیر جوا تو نہیں ہوتا' اسی لیے تو پہلے سے ہی سارے معاملات طے کر لیے جاتے ہیں۔" صالحہ نے کہا۔

"مگر غیرت اور حمیت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ باجی! ایک تو لڑکی والوں پر پہلے کیا کم بار ڈالا جاتا ہے۔ اس پر کھلوا اپنے منہ سے کہہ کر بھائی بہنوں کے لیے زیورات اور اسکوٹر بھی مانگو' میرے نزدیک تو اس سے بڑھ کر کوئی بے غیرتی ہی نہ ہوگی۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"ارے چل بڑا آیا نکیلا کہیں کا' یہ تو خوشی کی رسمیں ہوتی ہیں کوئی مارے بندھے کا سودا نہیں ہوتا۔ لڑکی والے تو اپنی ناک اونچی رکھنے کو بن مانگے ہی بہت کچھ دے دیتے ہیں۔" اماں نے بڑے دلار سے اسے سمجھایا۔

"خیر کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔ اس سے مجھے کوئی غرض نہیں مگر اتنا بتائے دیتا ہوں کہ اپنے معاملے میں ایسی جاہلانہ اور ناجائز رسومات کو برداشت نہیں کروں گا اور اس پر بھی اگر آپ نے ان لوگوں سے کوئی فضول سا مطالبہ کیا تو میں سرے سے شادی ہی نہ کروں گا۔"

"ارے واہ! کچھ دماغ چل گیا ہے کیا۔" بہن نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر اماں نے اشارے سے اسے منع کر دیا۔

اس کی بات پر کہاں تک عمل کیا گیا' یہ تو اس نے دیکھا ہی نہیں البتہ چند روز بعد بڑی دھوم دھام سے اس کی شادی ہو گئی۔

وہ بے تابیاں جن پر روایات اور نزاکتوں کے بند باندھ باندھ کر اس نے یہ چھ سات ماہ کا عرصہ گزارا تھا' سارے بند توڑ کر بے لگام ہوتی لگ رہی تھیں جس وقت اس نے حجلہ عروسی میں قدم رکھا۔ عالیہ سامنے ہی پھولوں کی لڑیوں کے درمیان گھری عروسی سیج پر بیٹھی تھی۔

وہ ہستی جو اب سے چند گھنٹے پہلے اس کے لیے بالکل غیر تھی اب اپنے تمام تر جملہ حقوق کے ساتھ اس کی اپنی ہو گئی تھی' اور یہ احساس اس کے لیے بڑا ہی نرالا اور انوکھا سا تھا کہ وہ اس کی زندگی میں ایک رفیق کی حیثیت سے داخل ہوئی ہے اس کے دکھ درد' حرج۔ مرض اور غم اور خوشی میں برابر کی شریک ہونے کا عہد کر کے آئی ہے۔ کم از کم آذر کے لیے تو یہ ایک بالکل ہی انوکھا اور اچھوتا سا تجربہ تھا۔ ایک عجیب سا مسرت آگیں اور گدگدا دینے والا احساس تھا جو اس کے روئیں روئیں کو انگیز اور دھڑکنوں کو منتشر کر رہا تھا۔

کچھ دیر دروازے کے آگے ٹھٹھکا وہ زندگی کے اس نئے باب میں پہلا قدم رکھنے کے متعلق ہی سوچتا رہا پھر کچھ سوچ کر اس نے دروازہ بند کیا اور عالیہ کی طرف بڑھا دونوں ہاتھوں سے مسہری کے اردگرد لٹکتی پھولوں کی لڑیوں کو سمیٹ کر وہ بڑی پر اشتیاق اور والہانہ نظروں سے سرخ زرتار دوپٹے میں لپٹی عالیہ کو دیکھتا رہا' جو گھونگھٹ ہی نہیں منہ بھی اٹھائے ساکت سی بیٹھی تھی۔

آذر نے اس کے قریب بیٹھ کر بڑی از خود رفتگی کے عالم میں عالیہ کے گود میں رکھے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بہت غور سے جھک کر اسے دیکھا۔

سینٹ اسپرے عطر اور پھولوں کا ایک روح تک کو بہکا دینے والا بھبھکا اس کے نتھنوں کی راہ اس کے دل میں اترتا چلا گیا جس میں حنا کی خوشبو سب سے نمایاں تھی۔ خوبصورت مخروطی انگلیوں میں دمکتی انگوٹھیاں اور گداز سی کلائیوں میں پھنسی طلائی چوڑیاں جن پر اس کی نظریں ٹک کر رہ گئیں۔ یہ چوڑیاں جو عالیہ کو میکے کی طرف سے جہیز میں ملی تھیں اس کی خوبصورت گوری گوری اور گداز کلائیوں میں پھنسی بہت ہی دلفریب لگ رہی تھیں۔ مگر عالیہ کے ہاتھ کس قدر سرد تھے کہ سینے میں اترتے طمانیت کے گہرے احساس کے باوجود ایک دم ہی اسے خیال آیا' دلہنیں تو اپنا چہرہ ہاتھوں سے چھپائے رکھتی ہیں مگر یہ دلہن کیسی ہے؟ بالکل کسی بے جان شے کی مانند گود میں ہاتھ رکھے

گھونگھٹ اونچا کیے یوں ساکت وجامد سی بیٹھی ہے جیسے یہاں اس مسہری پر کوئی سنگی مورتی نصب کر دی گئی ہو اور اس کے یہ خوبصورت ہاتھ کس قدر سرد اور بے جان سے لگ رہے ہیں یوں جیسے ان میں زندگی کی حرارت کبھی دوڑی ہی نہ ہو مگر یہ سوچنے اور غور کرنے کا موقع نہیں تھا بلکہ نزاکت اور لطافت سے بھرپور زندگی کی وہ اہم ترین ساعتیں تھیں جن میں مختلف اور انجانی سمتوں سے آنے والے دو راہی ایک دوسرے کے کاندھوں پر اپنے یقین اور رفاقت کی اساس رکھ کر اور ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر زندگی کے سفر میں شانہ بہ شانہ آگے بڑھتے ہیں اور بڑھتے ہی رہتے ہیں۔

عالیہ نے اس کی توقع کے برعکس اپنے ہاتھوں کو اس کے حوالے کرنے میں تھوڑی سی بھی مزاحمت نہیں کی تھی اور نہ اس کے قرب پر کوئی رد عمل ہی دکھایا تھا اور یہ کوئی ایسی قابل گرفت بات بھی نہ تھی یعنی اس کے خیال میں عالیہ کا یہ بے جان اور خاموش سا طرز عمل اس کی لاعلمی اور ناتجربے کاری کی وجہ سے بھی ہو سکتا تھا لیکن ابھی جب وہ دولہا بن کر بارات کے ساتھ عالیہ کے گھر پہنچا تھا تو مہر کے معاملے میں تھوڑی بدمزگی پیدا ہو گئی تھی۔ عین نکاح کے موقع پر کسی بات پر فریقین کے درمیان تلخی یا بدمزگی پیدا ہو جائے تو دلوں میں تھوڑا بہت تکدر ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور یہ ایک قدرتی بات ہوتی ہے حالانکہ دیکھا جائے تو ہر لحاظ سے دولہا والوں کا پلا بھاری ہوتا ہے اور وہ شیر بھی ہوتے ہیں مگر آذر کے دل میں تو ایک گرہ سی پڑ گئی تھی اور اسی لیے وہ معمولی معمولی سی باتوں کو اتنی اہمیت دے رہا تھا۔

پھر اس نے بڑی نرمی اور احتیاط سے عالیہ کے دونوں ہاتھ اس کی گود میں رکھ دیے اور بے ترتیب سی دھڑکنوں کے ساتھ اس کا ماتھے تک جھکا گھونگھٹ اونچا کرنے کا مرحلہ بھی طے کر لیا تب بھی وہ یونہی بے حس سی بیٹھی رہی مگر وہ تو جیسے اپنے ہوش نہ رہا، مبہوت سا اس کا عروسی جلوہ دیکھتا رہ گیا۔ روشن اور کشادہ پیشانی جس پر چمکتا ٹیکہ کانوں تک جھکی جڑاؤ پٹی، بچی موتیوں کا جڑاؤ جھومر نتھ سے سجی ستواں ناک، سمٹا ہوا دہانہ ابھرے ہوئے لپ اسٹک سے رنگے خمیدہ ہونٹ افشاں اور بلو آئی شیڈو میں لپٹے غلافی پپوٹے جن کے سروں پر پلکوں کی سیاہ جھالریں صبیح رخساروں پر سایہ فگن تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر وہ زیورات جو وہ کانوں اور گلے میں پہنے ہوئے تھی۔ کانوں میں جڑاؤ گھربالے اور گردن سے لے کر ناف تک ایک دو نہیں چھ سات قسم کے ہار جن میں گلوبند نیکلس ست لڑا مالا اور چندن ہار وغیرہ شامل تھے۔

"میں تو بھی صرف دو سیٹ دے رہی ہوں چڑھاوے میں۔ اے ہاں بری میں تو اتنا ہی زیور کافی ہوتا ہے اور پھر ٹیکا پانی بھی تو ہے وہ جو چاہیں دے دیں ویسے تو میں نے پانچ سیٹ ہی مانگے ہیں۔"

ایک دم ہی کانوں میں بڑی اپنی ماں کی آواز صدائے باز گشت کی طرح اس کے کانوں میں گونجی تو اپنی محویت سے چونک کر اس نے منہ ہی منہ میں لاحول پڑھی اور پھر عالیہ کو مخاطب کر کے بولا۔

"سنیں عالیہ! جو کچھ ابھی کچھ دیر پہلے نکاح کے موقع پر ہوا تھا۔ اس میں میری مرضی کو بالکل دخل نہ تھا۔ اصل میں شادی بیاہ کی رسومات کا تمام تر انحصار بزرگوں کی مرضی اور خواہش پر ہوتا ہے جب کہ میں تو ایسی رسومات کو بالکل لغو ہی سمجھتا ہوں۔"

تب بھی عالیہ اسی طرح بت بنی بیٹھی رہی اور تب ہی اسے احساس ہوا کہ وہ بہت بے موقع بات کہہ گیا ہے۔ اس نے فوراً ہی پینترا بدل کر اپنی فطری شوخی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"بھئی آخر کیا معاملہ ہے۔ اپنا جلوہ دکھا کر تو مجھے اپنا دیوانہ بنا دیا مگر میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی ویسے اطمینان رکھیے اتنا بھیانک اور بدہیئت بھی نہیں ہوں کہ مجھے دیکھ کر آپ کی گھگھی بندھ جائے۔"

اس نے بڑے پیار سے عالیہ کی ٹھوڑی اونچی کر کے کہا تو عالیہ کے سپاٹ سے چہرے پر مسکراہٹوں کے چاند اتر آئے۔ اس نے ڈرتے جھجکتے شرماتے لجاتے آہستہ سے پلکوں کی چلمن اٹھائی لیکن بار حیا نے

دسرے ہی لمحے اسے گرا دیا پھر بھی اس ایک لمحاتی وقفے میں عالیہ کی موہنی صورت اس کی روح کی گہرائیوں تک اترتی چلی گئی۔

موہنی صورت کومل اور معصوم سی عالیہ نے پہلی ہی شب پہلی ہی نظر میں آذر کے دل میں وہ مقام حاصل کرلیا تھا جو کم ہی کسی بیوی کو حاصل ہوتا ہے۔

شروع شروع میں تو کچھ عرصے دونوں کے درمیان ایک تکلف سا قائم رہا مگر جب بقول اماں دلہن پرانی ہو گئی تو اس نے محسوس کیا کہ تکلف ہی نہیں عالیہ اس سے تھوڑی تھوڑی غیریت بھی برتتی ہے اور ہر دم چپ چپ سی کسی فکر میں غلطاں اور پیچاں نظر آتی ہے۔ گو اسے معلوم تھا کہ وہ فطرتاً کم گو اور بے زبان سی لڑکی ہے مگر اس کا فکر مندی سے کچھ سوچتے رہنا آذر کو بہت عجیب سا لگتا تھا۔ ادھر ماں کی زہر میں بجھی گفتگو سے بھی وہ لاعلم نہیں تھا جو کسی نہ کسی بہانے کوئی نہ کوئی موضوع نکال کر ڈائریکٹ عالیہ پر انڈیلتی رہتی تھیں۔

"اے بس بہت ہو لیے مان گون' اب کام کاج پر لگاؤ اپنی بیگم کو' صائمہ بے چاری اکیلی جان کیا کیا کرے۔ پڑھنے جائے گھر سنبھالے یا دادی کی سو سو جھکیں کرے اور پھر خدا معلوم اس کا نصیب کیسا ہو' اپنے گھر میں کس طرح رہے۔ اسی لیے تو ماں باپ کے گھر میں لڑکی لعلوں کی لعل بن کر رہتی ہے اور اب تو تمہاری شادی کو خیر سے چار مہینے ہو گئے مگر تمہاری بیوی نے آج تک ایک پھلی بھی تو نہیں پھوڑی۔"

کبھی کہتیں۔

"اے لو ہم تو سمجھ رہے تھے کہ اتنا بڑھ چڑھ کر بول رہی تھیں تو نہ معلوم بیٹی کو ایسی کیا بادشاہت عطا کردیں گی مگر وہاں تو کل اکیس جوڑے' تین سیٹ جھومر اور سونے کے بٹن ہی دیئے ہیں وہ بھی پتا نہیں موئے کس دل سے' پورے چھ مہینے لگائے' اس پر گاڑی اور بجلی کا بڑا چولہا بھی نہیں دیا اور پستاویاں بھی ایسی کہ میں نے تو جل کر اپنی دھوبن کو دے دیں آج کل تو بھنگی اور چمار بھی اچھا پہنتے ہیں وہ تو میں نے خود منہ پھوڑ کر اور زبردستی کہہ سن کر صالحہ کے دولہا کو اسکوٹر دلوائی ہے میں تو کہتی ہوں کہ اگر کسی قابل نہ تھے تو پھر ہم پر اتنا احسان بھی کیوں کیا۔؟"

اور کبھی کہتیں۔

"اے اچھے سسرال والے ہیں نہ کبھی خود آتے ہیں نہ بیٹی داماد کو بلانے کی توفیق ہی ہوتی ہے اور کبھی خود میرا بچہ وہاں چلا جاتا ہے تو یونہی بغلیں جھانکتا ہی آتا ہے۔ ایسا کچھ دیا بھی نہیں جہیز میں جو پھر کچھ دینے کی ضرورت ہی نہ ہو' ایک اللہ رکھے وہ ہمارا داماد ہے جب بھی آتا ہے جیبیں خالی کرا کے ہی جاتا ہے' یہ بھی دے دو وہ بھی دے دو' اس کا بس چلے تو تن کے کپڑے بھی اتار کر لے جائے اور ایک آذر کی سسرال والے ہیں۔ سچ پوچھو تو میرے بچے کی تو قسمت ہی پھوٹ گئی۔"

اماں کو اس کا ڈر تو نہیں پڑا تھا کہ اس کے سامنے ایسی باتیں کرنے سے پرہیز کرتیں۔ وہ تو ڈنکے کی چوٹ پر آئے گئے کے سامنے دل کی بھڑاس نکالا کرتی تھیں۔ ان کی اور باتوں پر تو وہ کان ہی نہیں دھرتا تھا مگر یہ عالیہ کے گھر جانے کی بات اس کے دل کو بہت لگتی تھی۔ اس نے بھی کئی بار محسوس کیا تھا کہ وہ جب بھی عالیہ کے ساتھ اس کے میکے جاتا ہے' اس کی سالیاں اس سے منہ چھپائے چھپائے پھرتی ہیں۔ ساس بھی لیے دیئے رہتی ہیں اور اس کے جاتے ہی گھر میں ایک کھچڑی سی پکنی شروع ہو جاتی ہے۔ آج تک کسی نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ عالیہ کو چھوڑ کر جا رہے ہو تو خود بھی ایک دو روز ہمارے یہاں رہ جاؤ بلکہ وہاں تو کوئی سیدھے منہ بات ہی نہ کرتا تھا۔ قسمت سے ایک ہی سالا تھا جو لائلپور کے کسی مل میں چیف اکاؤنٹنٹ لگا ہوا تھا اسے بھی صرف شادی کے موقع پر سرسری طور پر دیکھا تھا کیونکہ اسے کل پانچ دن کی چھٹی ہی مل سکی تھی۔ اور شادی کے تیسرے روز ہی اپنی ملازمت پر واپس چلا گیا تھا عالیہ سے بڑا تھا' یا پھر فطرتاً "نروٹھا تھا" جو رسمیں ادا کرنے کے موقع پر بھی غائب ہی رہا تھا' اور سامنے بھی آیا تھا تو منہ پھلائے خاموش بیٹھا رہا تھا آذر نے تو شادی کے ہنگامے کی وجہ سے اچھی طرح اسے دیکھا بھی نہ تھا۔ لیکن آذر کے دل میں تو اس سے ملنے اور باتیں کرنے کی بڑی خواہش تھی۔ واقعی

عجیب لوگ تھے عالیہ کے میکے والے بھی" آذر کی تو سمجھ میں ہی نہ آئے تھے اور بقول اماں کے وہ تو اپنے سگوں سے بھی نہیں ملتے تھے تو آذر کو بھلا کیا گھاس ڈالتے اور اماں کو جہاں کنبے داری نبھانے میں کمال حاصل تھا' وہاں وہ ڈپلومیسی برتنے میں بھی بہت ماہر تھیں اور جوڑ توڑ کرنے میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں' اور ہمیشہ ہی بڑی خوبصورتی سے اس کے کان بھرتی رہتی تھیں۔

"اے بس' اب ان لوگوں کو زیادہ منہ نہ لگاؤ' عالیہ کی ایسی ہی پسلی پھڑکتی ہے' تو وہ خود ہو آیا کرے گی اپنے میکے۔ تم کوئی اس کے زر خرید ہو جو دم چھلا بنے اس کے ساتھ جاتے ہو' سسرال والوں سے دور رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔"

یہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے غرضیکہ اماں اسے ساری اونچ نیچ اور مصلحتوں سے آگاہ کرتی رہتی تھیں۔

اصل میں اماں کو شروع ہی سے اپنی اولاد کی زندگی میں بڑا دخل تھا' ابا تو ویسے بھی مرنجان مرنج قسم کے آدمی تھے۔ بہت کم گو اور سادہ لوح اور جب سے معذور ہو کر بستر سے لگے تھے انہیں بالکل ہی چپ لگ گئی تھی۔ مگر اماں تو ہمیشہ ہی سے ان پر حاوی تھیں گھر کے سارے معاملات بھی اماں ہی مرضی اور حکم سے طے پاتے تھے۔

مگر اماں خواہ کچھ بھی کہتیں یا عالیہ کے میکے والے اس سے کیسا بھی سلوک روا رکھتے' اسے تو صرف عالیہ سے غرض تھی۔ اور چونکہ عالیہ کے ساتھ اماں کا رویہ بھی اس سے مخفی نہ تھا جو عالیہ کے ہر کام میں عیب نکالتی تھیں۔ ہر بات پر نکتہ چینی کرتی تھیں۔ اور پھر اماں کی زبان تو شاید نیم اور کریلے کے مرکب سے بنائی گئی تھی' جس سے عالیہ کے لیے زہر ہی ٹپکتا تھا وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ عالیہ کی والدہ نے اماں کی مرضی اور مانگ پوری نہیں کی تھی اور اماں کو اس بات پر سخت پچھتاوا تھا کہ بقول ان کے کن فقتوں میں پھنس گئی تھیں۔ سخت دھوکا ہوا تھا ان کے ساتھ ورنہ آذر کے لیے ایک سے ایک رئیس گھرانے کی لڑکیوں کی کیا کمی تھی۔ اماں ہمیشہ اس کے سامنے یہی دکھڑا لے کر بیٹھ جایا کرتی تھیں اور وہ چپ چاپ ان کی خرافات سنتا رہتا تھا اور کبھی بہت ہی تنگ آجاتا تو جل کر کہتا۔

"اماں! آپ کسی طرح عالیہ کا پیچھا بھی چھوڑیں گی' میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اگر کسی رئیس گھرانے کی لڑکی بھی آجاتی تو آپ کی ان باتوں سے ایک دن بھی میرے ساتھ نباہ نہ کرتی۔" اور اس بات پر تو اماں کی وہی شکل ہو جاتی کہ آئیں تو جائیں کہاں' بس وہ بے نقط سنائیں کہ اللہ دے اور بندہ لے۔

اسی روز روز کی چخ چخ کی وجہ سے ہی تو اس نے نچلی منزل میں رہائش اختیار کی تھی جب کہ رہائشی کمرے بالائی منزل پر تھے اور شادی سے پہلے وہ بھی وہیں رہتا تھا۔ نچلی منزل میں تو ڈرائنگ ڈائننگ' کچن پینٹری لاؤنج وغیرہ کے علاوہ بس ایک ہی کمرہ تھا' جو گیسٹ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور جس سے ملحق ایک پارلر بھی تھا اور اماں کی شدید مخالفت کے باوجود اس نے گیسٹ روم کو ہی اپنے بالائی کمرے پر ترجیح دی تھی لیکن نیچے گیسٹ روم میں رہائش اختیار کرنے کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ عالیہ اوپر جا کر جھانکتی ہی نہیں۔ صالحہ تو زیادہ تر اپنے شوہر کے پاس بہاولپور ہی رہتی تھی۔ بس سال میں ایک دو مرتبہ چند روز قیام کی غرض سے ہی میکے آتی تھی اور صائمہ اپنے تعلیمی مشاغل میں مصروف رہتی تھی۔ سارے کام عالیہ کو ہی انجام دینے پڑتے تھے یوں تو گھر میں تین ملازم بھی موجود تھے ایک خانساماں' ایک لڑکا جو اوپر کے کاموں پر مامور تھا اور ایک چوکیدار' مگر اماں سالن وغیرہ عالیہ سے ہی پکواتی تھیں۔ اس پر گھر کی صفائی ستھرائی اور دیکھ بھال مہمانوں کی آؤ بھگت اور خاطر مدارت' دھوبی کو کپڑے لینے اور دینے حتیٰ کہ صائمہ اور اعظم کے چھوٹے موٹے کام بھی عالیہ ہی کے ذمے تھے۔

عالیہ کی جان ناتواں پر اماں نے جو کام ڈالے تھے' وہ آذر کو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے اور اسی بات پر کئی بار اماں سے بڑی لے دے ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ تو عالیہ کو ہتھیلی کا پھپھولا بنا کر رکھنا چاہتا تھا۔

اسی طرح روز روز کے جھگڑوں' قضیوں میں وقت بڑی

بھی سے گزرتا رہا۔ عالیہ نے تو خیر اپنا مقدر سمجھ کر شروع ہی سے حالات سے سمجھوتا کرلیا تھا ویسے بھی اسے یہ اطمینان تو تھا کہ اس کا شوہر اس کا اپنا ہے' وہ اس کی ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھتا ہے اور اس پر جان چھڑکتا ہے اور بس یہی عالیہ کو چاہیے بھی تھا' مگر اماں نے بھی کسی حد تک حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔

وہ اب زیادہ تر خاموش ہی رہتی تھیں آذر بھی مطمئن ہوگیا تھا کہ چلو اماں نے کسی طرح عالیہ کو گھر کا ایک فرد تو تسلیم کرلیا ویسے بھی اس کی شادی کو دو ڈھائی سال کا عرصہ گزر گیا تھا کہ انہی دنوں اماں کو بیٹھے بٹھائے گھر کی بے رونقی کا احساس بڑی شدت سے ہونے لگا تھا۔

"اے شادی کو تین برس ہونے کو آئے مگر عالیہ نے اب تک چوہے کا ایک بچہ بھی نہ جنا' جانے کیا بات ہے' کسی ڈاکٹرنی واکٹرنی کو تو دکھاؤ' تاکہ پتا چلے کہ عالیہ میں بچہ جننے کی صلاحیت بھی ہے۔"

اماں دبی دبی زبان میں آذر سے کہتیں۔ اماں کے ہاتھ کوئی موضوع آجانا تو شرط تھا۔ پھر تو وہ ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے ہی پڑجاتی تھیں۔

شروع شروع میں تو دبے دبے لفظوں میں آذر کے سامنے یہ موضوع لے کر بیٹھ جایا کرتی تھیں' مگر جب انہوں نے دیکھا کہ بیٹے کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی تو انہوں نے علی الاعلان ہی کہنا شروع کردیا۔

"میری صالحہ کے تو خیر سے پانچ برس میں دو بچے ہوگئے اور تمہارے یہاں ابھی دور دور تک بچے کے آثار نظر نہیں آتے۔

اصل میں بچوں کے دم سے ہی گھر میں رونق ہوتی ہے اسی وجہ سے صالحہ چلی جاتی ہے تو یہ گھر مجھے کاٹنے کو دوڑتا ہے یوں بھی بیٹی کی اولاد پرائی ہوتی ہے۔ اسی لئے تو بیٹے کی اولاد پر دادی دادا کا بہت حق ہوتا ہے۔"

اس روز وہ اوپر اماں کے پاس بیٹھا چائے پی رہا تھا' عالیہ بھی وہیں موجود تھی' اماں نے اس کی پروا کیے بغیر پھر زہریلے تیر چلانے شروع کردیے۔

"اے بچے! میں کہتی ہوں کہ آخر تو کب اسے ڈاکٹرنی کو دکھائے گا' میرا تو کہتے کہتے منہ خشک ہوگیا مگر تیرے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور یہ کوئی ایسی بری بات تو نہیں کم از کم ہمارا اطمینان ہی ہوجائے گا۔"

اماں خاص طور پر اسے مخاطب کرکے بولے ہی چلی گئیں تو چائے کی پیالی تپائی پر پٹخ کر نیچے چلا آیا۔ اماں کی فضول سی باتوں پر اسے جھنجلاہٹ بھی ہو رہی تھی کیونکہ انہوں نے جس موضوع کو ٹارگٹ بنایا تھا۔

اس نے آذر کو ایک الجھن میں گرفتار بھی کردیا تھا اولاد کی خواہش کسے نہیں ہوتی مگر اسے تو کبھی احساس تک نہ ہوا تھا۔ وہ تو اماں نے ہی احساس دلایا تھا گو وہ الجھ ضرور گیا تھا پھر بھی اس نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ نیچے اپنے کمرے میں آکر کچھ دیر وہ یہی سوچتا رہا تھا کہ اماں نے صرف ہماری ازدواجی زندگی کا

سکون درہم برہم کرنے کے لئے یہ نیا شوشا چھوڑا ہے ورنہ بعض عورتوں کے یہاں دیر میں بھی بچے پیدا ہوتے ہیں اور جب اسے عالیہ کے ساتھ یکجا ہو کر بیٹھنے کا موقع ملا تو اس نے ہنس کر کہا۔

"لو بھئی اب اپنی خیر مناؤ، تمہیں جلانے اور کلسانے کے لئے اماں کے ہاتھ ایک نیا موضوع آگیا ہے۔"

"خیر نیا تو نہیں کافی پرانا موضوع ہے مگر اماں کچھ غلط تو نہیں کہتیں عالیہ کے لہجے میں افسردگی شامل تھی۔

"یعنی کیا... کیا تمہارے خیال میں وہ سچ کہتی ہیں کہ تم ماں بننے کے قابل نہیں ہو۔"

اس نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"ہو سکتا ہے سچ ہی کہتی ہوں۔" عالیہ بجھے بجھے سے لہجے میں بولی۔

"لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ سچ ہی کہتی ہیں، کیا وہ کوئی غیب کا علم جانتی ہیں۔ انہیں تو صرف تمہارے اور میرے درمیان کھنڈت ڈالنے کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ ہی چاہیے۔"

عالیہ کے بجھے بجھے لہجے پر اسے دکھ سا ہوا تو اس نے نرمی سے کہا، عالیہ نے قدرے توقف کے بعد کچھ سوچ کر کہا۔

"لیکن آذر! اگر میڈیکل چیک اپ کرانے کے بعد اماں کا خیال درست نکلا تو پھر کیا ہوگا؟۔" عالیہ کے لہجے میں گہری یاسیت تھی۔

"ہائیں۔" وہ جل بھن کر رہ گیا۔

"پھر وہی ہوگا جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آرہا ہے یعنی اماں مجھ سے دوسری شادی کے لئے مطالبہ شروع کردیں گی۔"

اور عالیہ کا چہرہ اتر گیا۔

"اچھا تو کیا آپ ان کی بات مان لیں گے۔" عالیہ نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں اس کے سوا چارہ ہی کیا ہوگا۔"

"یعنی دوسری شادی کرلیں گے۔" عالیہ کو جیسے اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔

"بالکل کر ہی لیں گے۔ تم تو ماں بننے کے قابل ہی نہ ہوگی اور پھر اولاد کی تمنا کیسے نہیں ہوتی، ویسے بھی اماں کی تو یہ سب سے بڑی آرزو ہے کہ وہ میری اولاد کو......"

اور ابھی وہ اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ ٹپ ٹپ عالیہ کی خوبصورت آنکھوں سے برکھا رت ہونے لگی اور آذر کا دل کٹ کر رہ گیا۔ اس نے فوراً ہی اسے سینے سے لگالیا

"پگلی۔ تمہیں کم از کم میری فطرت سے تو واقف ہونا چاہیے میں تو تمہاری احمقانہ باتوں پر جل کر تم سے مذاق کر رہا تھا ورنہ عالیہ کے سوا کون مائی کا لال ہے جو اس دل میں گھر کرنے کی جرات بھی کرسکے اور میں کوئی اماں کے ہاتھ کی ڈگڈگی تو نہیں ہوں کہ وہ جس طرف مجھے گھمائیں گی میں گھوم جاؤں گا، اول تو انہوں نے اب تک اشارۃً بھی کوئی ایسا مطالبہ نہیں کیا دوسرے اگر وہ اس سلسلے میں ایک لفظ بھی کہیں گی تو ان کی طبیعت بھی ٹھیک کردوں گا۔"

وہ اس کے آنسو پونچھنے کی کوشش میں بڑے پیار سے ہنس ہنس کر کہتا رہا۔

مگر عالیہ کی آنکھوں سے تو بادل سے اٹھ رہے تھے شاید وہ دل پر چھایا غبار اسی بہانے نکال رہی تھی۔ وہ پھر اس کی ڈھارس بندھانے لگا۔

"اماں خواہ کچھ بھی کہیں، مجھے تو اولاد کی ذرا سی خواہش نہیں مجھے تو بس زندگی کے ہر لمحے اور ہر گام پر تمہاری رفاقت درکار ہے اور کیا تم یہ بھول گئیں کہ ہم نے سینکڑوں آدمیوں کی موجودگی میں خدا کے سامنے ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کا عہد کیا تھا اور پھر ہم تو تمہارے شیدائی ہیں۔ تم پر پروانہ وار نثار۔"

"کاش آپ کے یہ۔ یہ دعوے سچ ہی ثابت ہوں ورنہ مردوں کی زبان تو صرف ان کی مرضی اور خواہشات کی تابع ہوتی ہے۔ وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔" عالیہ بڑی دیر تک روتے رہنے کے بعد اپنے آنسو خشک کر کے بولی۔

"اچھا تو تمہیں مردوں کی فطرت کا بڑا تجربہ ہے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"مم... مجھے نہیں... نہیں زیادہ تجربہ تو نہیں ہے۔"
عالیہ نے سٹپٹا کر کہا۔

"مگر تھوڑا بہت ہے ضرور۔" اس نے شوخ سی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔

"نہیں تھوڑا بہت بھی نہیں ہے، البتہ تھوڑا سا مشاہدہ ضرور کیا ہے۔" عالیہ اس کی بات پر گڑبڑا سی گئی۔

"چلو مشاہدہ ہی سہی مگر کیونکر کیا ہے ذرا یہ تو بتایئے۔"
اس نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بس... کر ہی لیا، اصل میں قصے کہانیوں کے ذریعے میں نے کچھ ایسا ہی اندازہ لگایا ہے۔" عالیہ نے موڑ توڑ کر جواب دیا اس کے انداز سے گھبراہٹ متشرح تھی۔

مگر وہ تو اس وقت مذاق کے موڈ میں تھا، الٹے سیدھے سوالات کر کے اس کی گھبراہٹ سے حظ اٹھا رہا تھا، اس لئے اس نے کچھ خیال ہی نہ کیا۔

"اوہو تو ابھی تک آپ قصے اور کہانیوں کے پھیر سے نہیں نکلیں، تب ہی تو ہر وقت خواب اور خیالوں کی دنیا میں کھوئی رہتی ہیں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"نہیں بلکہ جب سے ایک پری زاد سے واسطہ پڑا ہے جاگتے ہی میں خواب دیکھتی رہتی ہوں۔" عالیہ نے اس کی طرف دیکھ کر شوخی سے کہا یا پھر بات ہی گھما دی۔

"اوہو، ٹھہرو، ابھی اماں سے جا کر کہتا ہوں کہ عالیہ آپ کو ناری مخلوق سمجھتی ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤں اماں جب بھی وضو کے لئے پائینچے اونچے کر کے پیر دھوئیں تو ذرا غور سے دیکھنا کہیں ان کی پنڈلیوں پر ریچھ کی طرح لمبے لمبے بال تو نہیں ہیں، سنا ہے پریوں یا پری زادوں کی شناخت اسی طرح ہوتی ہے اور اماں تو اس بڑھاپے میں بھی ماشاءاللہ چندے آفتاب ہیں۔" اس نے کہا تو عالیہ ہنستی ہوئی بولی۔

"ہاں اماں ضرور ہیں مگر آپ تو اتنے خوبصورت نہیں ہیں۔"

"ارے ہم... ہمارا کیا پوچھتی ہو، ہم تو جدھر سے بھی گزر جاتے ہیں ایک قتل عام ہی ہو جاتا ہے ادھر سے۔"

"جی ہاں جیسے کہ بڑے ہی تو خوبصورت ہیں آپ۔"
عالیہ اسے چھیڑنے کی غرض سے بولی۔

"کیوں کیا ہم تمہیں اچھے نہیں لگتے۔" اس نے روکھا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"اونہوں بالکل نہیں" عالیہ نے برا سا منہ بنا کر کہا اور جواب میں وہ غور سے عالیہ کی صورت دیکھنے لگا۔

"ارے یہ تو بتاؤ یار! کیا تمہارا بھی کوئی آئیڈیل تھا؟" اس نے کچھ سوچ کر پوچھا اور عالیہ کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔

"یہ آپ کو بیٹھے بٹھائے کیا خیال آ گیا۔" اس نے قدرے ترش سے لہجے میں کہا۔

"ارے بھئی ویسے ہی پوچھ لیا، سنا ہے لڑکیوں کو آئیڈیل بنانے کا خبط ہوتا ہے۔" اس نے اپنی بات کو غیر اہم ثابت کرتے ہوئے کہا۔

"خبط جنہیں ہوتا ہو گا انہیں ہوتا ہو گا۔ میں نے تو کبھی ایسی حماقت کی ہی نہیں۔" وہ یوں بولی جیسے اسے بہت ناگوار گزرا ہو۔

"میں نے تو انٹر ہی کیا تھا کہ میری شادی ہو گئی اور اگر آئیڈیل کا ہی سوال ہے تو ایک بیوی کے لئے تو اس کا شوہر ہی کسی آئیڈیل سے کم نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ اس کی توقعات پر پورا اترے۔"

"جیسے کہ میں۔" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

اور عالیہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی پھر چہرہ جھکا کر بولی۔

"ہوں۔"

اور وہ اس کی ہوں پر ہی خوش ہو گیا کیونکہ اس وقت تو اس پر عالیہ کی محبت کا رنگ چڑھا ہوا تھا اس نے بالکل محسوس ہی نہیں کیا تھا مگر اب
اب تو معمولی سے معمولی بات بھی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

اماں نے اس کا رنگ اور تیور دیکھ کر اب بچے کے معاملے میں خاموشی تو اختیار کر لی تھی مگر اشاروں کنایوں میں کسی نہ کسی بہانے اس کے سامنے یہ ذکر

لے کر ضرور بیٹھ جاتیں۔

اس روز جمعہ کا دن تھا اور چونکہ وہ اعظم کو ساتھ لے کر جمعہ کی نماز ادا کرنے مسجد جاتا تھا' اس لئے تیار ہو کر اس کا انتظار کر رہا تھا ادھر اسے بھوک بھی بہت لگ رہی تھی جب کہ اماں کا قاعدہ تھا کہ وہ نماز پڑھ کر آنے کے بعد ہی کھانا لگواتی تھیں آزر نے سوچا کہ وہ عالیہ سے کوئی ہلکی پھلکی چیز لے کر کھا لے گا اس لئے وہ پینٹری میں پہنچا تو اماں کو وہیں بیٹھے پایا۔ وہ منڈی سے آئے پھلوں اور ترکاریوں کو دھلوا اور پونچھوا کر ملازم سے فریج میں رکھوا رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی بولیں۔

"ارے تم دونوں ابھی تک مسجد نہیں گئے۔"

"نہیں اماں! ابھی تو نماز شروع ہونے میں پندرہ منٹ باقی ہیں اور اعظم بھی تیار نہیں ہوا۔"

اس نے عالیہ کو تلاش کرنے کی غرض سے نظریں ادھر ادھر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"اے ہاں اس میں تو شیطان سا گیا ہے' خاص طور سے جمعہ کے دن ہی سستی کرتا ہے ویسے بھی آج کل کے بچے تو بس مارے باندھے کو نماز پڑھ لیتے ہیں' وہ بھی میں زبردستی کہہ کہہ کر بھیجتی ہوں ورنہ دل کس کا چاہتا ہے۔" اماں بولیں۔

جواب میں وہ کیا کہتا' بھوک کے مارے تو پیٹ میں اینٹھن ہو رہی تھی۔ کاؤنٹر پر رکھی ہوئی ٹرے میں سے ایک کیلا اٹھا کر وہ کھانے لگا۔

مگر اماں تو شروع ہو گئی تھیں اس لئے بولتی ہی گئیں۔

"اے ہاں' وقت کے وقت مسجد میں جا کر جلدی جلدی دو چار ٹکریں مار لیتے ہیں۔ یہ آج کل کے بچے نہ خطبے میں شریک نہ دعا میں۔ دل سے تو کوئی جاتا ہی نہیں نا' ایک ہمارے باوا دادا تھے کہ گیارہ بجے سے ہی تیار ہو کر مسجد میں جا بیٹھتے تھے اور جمعہ کی تیاری بھی ایسے کرتے تھے جیسے دولہا بارات کی کرتا ہے اور ایک یہ ہمارے چھوٹے صاحبزادے ہیں کہ گیارہ بجے تک تو بستر میں ہی پڑے اینڈتے رہتے ہیں۔ اور پھر اٹھتے بھی ہیں تو سو نخروں سے' اتنا بھی نہیں کہ جمعے کا ہی احترام کر لیں۔"

اماں بولیں تو اس نے بھی سوچا' اماں کسی حد تک ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔

"چل فضل دین! یہ تینوں کشتیاں دھو پونچھ کر احتیاط سے الماری میں رکھ دے اور ہاں اوپر بڑے صاحب سے پوچھ کر آ کہ کیا وہ ہریرہ ابھی کھائیں گے۔"

اماں نے اس سے بات کرتے کرتے ملازم کو مخاطب کر کے کہا' عالیہ شاید اس وقت کچن میں تھی۔ آزر بار بار کچن کے دروازے کی طرف دیکھتا اور پھر اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھنے لگتا۔ فضل دین کشتیاں لے کر چلا گیا تو اماں اس کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"ایسا کرو ٹیلیفون پر کسی ڈاکٹرنی سے وقت لے لو' پھر تھوڑی دیر کی چھٹی لے کر عالیہ کو دکھانے لے جانا اے ہاں کچھ تو پتا چلے کہ عالیہ میں خرابی کیا ہے۔"

اماں کے منہ سے بہت غیر متوقع پھر وہی ذکر سن کر وہ ایک دم ہی بگڑ اٹھا۔

"یہ آپ نے آپ ہی آپ کیسے اندازہ لگا لیا کہ عالیہ میں کوئی خرابی ہے۔"

مگر اماں نے اس کے لب و لہجے کا ذرا سا بھی نوٹس نہیں لیا۔ ایک سرد سی آہ بھر کر بولیں۔

"یہ خرابی نہیں ہے تو اور کیا ہے بیٹے کہ اب تک عالیہ کی کوکھ ہری نہیں ہوئی ورنہ ادھر لڑکی کی شادی ہوتی اور ادھر دوسرے ہی برس بچہ ہوا۔ ہائے تم کیا جانو بیٹے' بچے کے بغیر یہ گھر مجھے کیسا سونا سونا لگتا ہے۔"

"اگر عالیہ کی وجہ سے آپ کو یہ سارے احساسات ہوتے ہیں اماں تو آپ فکر نہ کریں' اس کا بھی جلد ہی انتظام ہو جائے گا۔" وہ تنخ کر بولا۔

"اے کیسا انتظام یہ تو ذرا سی بات میں پھلکی کی طرح ناچنے کیوں لگتا ہے۔"

"آپ باتیں ہی ایسی کرتی ہیں اماں' بہرحال میں نے بھی سوچ لیا ہے کہ میں بھی اب اپنی رہائش کا کہیں اور بندوبست کر لوں گا' پھر تو یقیناً آپ کو ان فکروں سے نجات مل جائے گی۔"

اس نے تیز و تند لہجے میں کہا اور اسی وقت پینٹری سے باہر نکل آیا۔ باہر نکلتے ہی اس کی نظر عالیہ پر پڑی جو

دیوار سے لگی اس کی اور اماں کی گفتگو سن رہی تھی اور اسے دیکھ کر گھبرا سی گئی تھی مگر اس وقت تو اس پر سخت جھنجلاہٹ سوار تھی۔ اس نے اعظم کو بھی ساتھ نہ لیا اور تیزی سے مسجد کا رخ کیا۔ مارے غصے کے اس سے ڈھنگ سے نماز بھی ادا نہ ہو سکی' یہ خیال اسے نماز میں بھی پریشان کرتا رہا کہ عالیہ نے بھی اماں کی گفتگو سن لی ہے اسے معلوم تھا کہ اماں نے کس وجہ سے اس موضوع کو اپنا ٹارگٹ بنایا ہے یعنی وہ عالیہ پر سوکن لانے کے منصوبے باندھ رہی ہیں اور ان ہی ساری باتوں کے پیش نظر اس نے واقعی بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہی فیصلہ کرلیا تھا کہ عالیہ کو لے کر کسی اچھے سے مکان میں منتقل ہو جائے گا۔

......*

اماں بیٹے کی دھمکی سے خائف ہو گئی تھیں یا پھر کوئی اور چکر چلانے کی فکر میں تھیں جو انہوں نے اس روز کے بعد سے چپ سادھ لی تھی۔ مگر اس کے باوجود بھی آذر برابر کسی اچھے مکان کی جستجو میں لگا ہوا تھا' مگر انہی دنوں کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ اماں کو اچانک صالحہ کے پاس بہاولپور جانا پڑا۔ اصل میں صالحہ پرامید سے تھی اور کسی بداحتیاطی کی وجہ سے بیمار ہو گئی تھی۔ اماں اعظم کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ صرف صائمہ ہی باپ کی دیکھ بھال کے لئے گھر پر رہ گئی تھی۔ ادھر اب تک آذر کو اپنے مطلب کا کوئی مکان ہی نہیں ملا تھا' اس لئے مکان کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا تھا اور اماں کے جانے کے چند روز بعد ہی عالیہ کو وہ عجیب و غریب واقعات پیش آنے لگے تھے جن کو شروع شروع میں آذر نے کوئی اہمیت ہی نہ دی تھی' مگر اب... اب تو اس نے خود اپنے کانوں سے وہ آواز سنی تھی' جو عالیہ کی تو ہرگز نہ تھی گو عالیہ نے اس کے ہر الزام کی سختی سے تردید کی تھی اور اس کے سختی برتنے پر بھی اس نے کسی طرح قبول کر کے ہی نہ دیا تھا مگر اب وہ عالیہ کی کسی عذر معذرت کو ماننے پر بالکل تیار نہ تھا اور انہی واقعات کی روشنی میں تمام پچھلے واقعات کی کڑیاں ملا رہا تھا۔ اپنی اتنی بے اندازہ اور شدید چاہت کے جواب میں عالیہ کا اپرایا اپرایا اور کترایا سا رویہ' کھویا کھویا سا انداز افسردگی اور فکرمندی' جسے اب تک وہ اماں کی بدسلوکی کا سبب گردانتا رہا تھا اب حقیقت کا روپ دھار کر اس کے سامنے آ رہی تھیں آج کل تو اماں اور اعظم کے جانے کی وجہ سے گھر میں بالکل سناٹا رہتا ہے ابا کی وجہ سے صائمہ بھی نیچے نہیں اترتی اور دن میں تو وہ کالج جاتی ہے پھر تو عالیہ کو اور بھی کھل کھیلنے کا موقع ملا ہوگا مگر کیا واقعی عالیہ ایسی ہے ایسی فریبی اور بدکردار۔ اور پھر اس کی نظروں میں عالیہ کی بھولی بھالی شکل گھوم گئی تو ایک اضطرابی سی کیفیت میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور آتش دان کے آگے ہی ٹہلنے لگا۔

لیکن عالیہ بظاہر تو ایسی نہیں لگتی۔ وہ کس قدر بے چین اور جزبز سی ہو رہی تھی جب میں اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پوچھ رہا تھا کہ بتاؤ وہ کون تھا تو وہ کتنی عاجزی اور بے چارگی سے مجھے یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ میں نے بالکل غلط سنا ہے جو کچھ سنا ہے وہ میرا وہم ہے ہو سکتا ہے یہی بات ہو کیونکہ اس کے لہجے میں ریا اور مکاری نام کو نہیں تھی اور وہ زچ ہو کر رونے بھی تو لگی تھی۔ اگر جھوٹی اور مکار ہوتی تو پہروں بلک بلک کر کیوں روتی۔ اس پر بھی میں اسے کمرے میں تنہا چھوڑ کر چلا آیا ہوں۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں اگر واقعی وہ بے قصور ہے تو میں نے خوامخواہ اس پر ظلم توڑا۔

اس کی شدید چاہت نے ایک دم ہی اس کی بدگمانیوں پر چھینٹا مارا تو وہ تیزی سے اپنی خوابگاہ کی طرف بڑھ گیا۔ ایک جھٹکے سے ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا تو سامنے ہی مسہری پر عالیہ کو سوتے ہوئے پایا۔ وہ دبے قدموں سے اس کے قریب آیا اور تھوڑا سا جھک کر اسے دیکھا وہی معصومیت وہی دلربائی سوتی ہوئی عالیہ کے حسین تر چہرے سے ہویدا تھی جس کا وہ شیدائی تھا۔ وہ سوتے میں بھی ہلکے ہلکے سسکیاں لے رہی تھی۔ نیند سے جڑی گھنیری پلکوں میں ننھے ننھے قطرے اب بھی چمک رہے تھے' ناک گریہ وزاری کی وجہ سے تھوڑی سی سرخ ہو رہی تھی اور صبیح رخساروں پر اشکوں کے نشان لکیریں سی کھینچ رہے تھے وہ عالیہ سے اس معاملے میں مزید کچھ کہہ کر

اس کے احساسات مجروح کرنا نہیں چاہتا تھا' وہ سو گئی ہے تو اس وقت اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ سوتی رہے اس نے دل میں سوچا اور اس کے بے آرام ہو جانے کے خیال سے وہ رات اس نے کوچ پر لیٹ کر گزاری۔

دونوں کے درمیان ایک چپ سی قائم ہو گئی تھی یا کیا بات تھی' تین روز گزر گئے تھے نہ اس نے عالیہ سے کوئی بات کی تھی اور نہ عالیہ نے ہی اس سے اپنی صفائی میں مزید کچھ کہنا ہی گوارا کیا تھا جب کہ وہ اس سے اسی بات کا متمنی تھا کہ وہ اپنے بارے میں مزید کچھ کہے تاکہ اس کی بدگمانی کی تردید ہو سکے کیونکہ وہ اپنی بدگمانی اور زیادتی پر سخت متاسف تھا۔ عالیہ کے خاموش اور لاتعلق سے رویے سے وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ واقعی بالکل بے قصور ہے۔ ورنہ اگر خطاوار ہوتی تو ضرور اس کے سامنے جھک جاتی۔ مگر وہ تو میری موجودگی میں کمرے میں بھی کم آتی ہے' اور جب میں اس کا انتظار کرتے کرتے سو جاتا ہوں تو وہ چپکے سے آ کر کوچ پر لیٹ جاتی ہے وہ اب مزید عالیہ کی بے رخی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

چوتھے روز وہ آفس سے آیا تو ایسے چپکے سے آ کر خوابگاہ میں بیٹھ گیا کہ کسی کو پتا تک نہ چلا' ویسے بھی وہ وقت سے کچھ پہلے ہی آ گیا تھا اور عالیہ اس وقت گھر کے کاموں میں مصروف تھی' کچھ ہی دیر بعد وہ کسی کام سے خوابگاہ میں آئی تو اسے بیٹھا دیکھ کر دروازے کے آگے ہی ٹھٹھک گئی اور پھر پلٹ کر باہر جا ہی رہی تھی کہ اس نے جھپٹ کر اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

"تمہارے چنگل سے بچ نکلنا آسان نہیں جانم' مگر یہ تمہارے منہ میں کیا بھرا ہوا ہے جو پھول کر غبارہ ہو رہا ہے۔"

وہ گزشتہ تلخیوں کو بھلا دینا چاہتا تھا اس لیے اس نے یوں کہا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو' مگر عالیہ بدستور منہ پھلائے کھڑی تھی۔

"دیکھو بھئی' یہ سخت زیادتی ہے۔ ہم تو صرف تمہاری وجہ سے جلد جلد کام نمٹا کر وہاں سے بھاگے ہیں اور تم ہو کہ ہمیں بور کرنے پر تلی ہوئی ہو۔"

اس پر بھی عالیہ نے اپنی طرف سے کوئی ردعمل نہیں دکھایا۔ کسی ساکت اور بے جان شے کی طرح اس کی بانہوں میں گھری کھڑی رہی۔

"اچھا بھئی ٹھیک ہے تو پھر تم جاؤ جہاں جانا چاہ رہی تھیں۔ ہم بھی باہر جا کر تھوڑی سی آوارہ گردی کریں گے۔ سخت حماقت ہی کی جو جلدی چلے آئے۔"

اس نے اپنی بانہوں کا حصار توڑ کر برا مان جانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا تو عالیہ نے اسے کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ اپنی ساری ایکٹنگ بھول گیا مگر جلد ہی سنبھل کر بولا۔

"جو کچھ ہوا ہے اس پر مجھے بہت افسوس ہے عالیہ اگر تم سے ہو سکے تو مجھے معاف کر دو۔"

اس کے ندامت بھرے لہجے میں تاسف بھی شامل تھا عالیہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر بڑے تلخ و ترش لہجے میں بولی۔

"نہیں نہیں آذر! میری بھلا کیا حیثیت اور کیا اوقات' جو آپ معافی مانگ کر مجھے شرمندہ کر رہے ہیں' وہ بھی ایک فریبی اور بدچلن لڑکی سے جو آپ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آپ ہی کے گھر میں آپ ہی کی خوابگاہ میں غیر مردوں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتی ہے۔"

اور پھر دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر عالیہ رونے لگی۔

اور وہ تڑپ اٹھا عالیہ کو سینے سے لگا کر بھینچتے ہوئے اس نے نادم سے لہجے میں کہا۔

"مجھ سے واقعی بڑی سخت زیادتی ہو گئی ہے لیکن تمہیں بھی اختیار ہے' جو سزا چاہو مجھے دے سکتی ہو' میرے یہ ہاتھ جلا دو جنہوں نے تمہارے نازک سے بدن کو جھنجوڑا تھا۔ میری اس زبان پر انگارے رکھ دو جس نے تم پر جھوٹی تہمت لگائی تھی میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اف تک نہ کروں گا۔"

لیکن عالیہ بدستور روتی رہی۔

"اچھا تو آؤ میرے ساتھ کچن میں چلو' میں خود تمہارے سامنے اپنے یہ گناہ آلود ہاتھ جلا دوں گا۔"

اس کا منہ پر رکھا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا بولا تو عالیہ نے گھبرا کر جلدی سے اپنے آنسو پونچھے۔

"اچھا آپ میرا ہاتھ تو چھوڑیے۔ میرا دل آپ کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا ہے' یہ یہ تو صرف تاسف کے آنسو ہیں۔" عالیہ نے سسکیوں کے درمیان کہا۔

"کاش آپ نے مجھ پر تھوڑا سا ہی اعتماد کر لیا ہوتا آذر! مگر آپ نے تو ایک ذرا سی غلط فہمی میں الٹا میرے ہی دل کے آبگینوں کو چکنا چور کر کے رکھ دیا۔"

"اوہ پلیز عالیہ! ایسی تکلیف دہ باتیں تو نہ کرو کہ میں خود اپنے آپ ہی سے نفرت کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔" وہ عالیہ کی دل گرفتہ باتوں پر تڑپ کر بڑی عاجزی سے بولا۔

"یہ تکلیف دہ باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ اعتماد کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ آذر ڈرتی ہوں کہ اگر آئندہ بھی آپ کو کچھ ایسی ہی غلط فہمی ہو گئی تو۔۔۔"

"نہیں نہیں' اب بھی ایسا نہ ہو گا' تم اطمینان رکھو۔" وہ عالیہ کی بات قطع کر کے بولا۔

"میں تو آپ پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئی تھی آذر! مگر آپ نے میرے احساسات اور جذبات کو اتنی شدید ٹھیس پہنچائی ہے کہ آپ کی بات پر یقین کرنے کی کوشش بھی کروں تو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ مرد تو مختار کل' برتر اور عالی ظرف ہوتا ہے آذر! پھر وہ اس قدر کوتاہ نظر کیوں ہو جاتا ہے کہ ذرا سے شبہے میں اپنی ہنستی مسکراتی زندگی کو خزاں کے حوالے کر دیتا ہے اور آپ کو تو اپنی محبت پر بڑا ناز تھا بہت دعوے تھا اور آپ ہی ایک بے بنیاد بات پر مجھ پر شک کر بیٹھے۔"

آنکھوں کی راہ دل کا غبار نکالتے نکالتے اب عالیہ زبان سے بھی دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"اوہ بھئی اب کہاں تک چرکے لگاؤ گی اس دل ناتواں پر تمہارے دل میں اب اتنی بھی گنجائش نہیں رہی کہ میری ایک ذرا سی خطا کو معاف کر دو" وہ عالیہ کی باتوں سے بہت شرمندگی محسوس کر رہا تھا اس نے پھر عالیہ کو مزید کچھ کہنے کا موقع ہی نہ دیا۔

"اچھا تو دوستی۔" اس نے جلدی سے دو انگلیاں عالیہ کے سامنے نچاتے ہوئے کہا تو عالیہ نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنی دونوں انگلیاں اس کی انگلیوں سے ملائیں اور پھر ہنستے ہوئے سے لہجے میں بولی۔

"دوستی تو ہو گئی مگر پھر بھی آپ سے ڈر ہی لگتا ہے کہ کہیں پھر کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تو شاید میری کھال ہی اتروا دیں گے۔"

اور آذر نے بڑی شاکی نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو عالیہ نے جلدی سے بات پلٹ کر پوچھا۔

"آپ کے لئے چائے لاؤں یا کافی۔"

"نہ چائے نہ کافی بس تم میرے سامنے بیٹھی رہو میں تو آج تمہاری دید سے اپنا پیٹ بھروں گا بہتر گھنٹے سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں تم سے بچھڑے ہوئے۔"

"مگر وہ ابا میاں کی یخنی بھی تو تیار کرنی ہے مجھے" عالیہ نہ جانے کیوں اس سے کترا رہی تھی۔

"ہائیں کیا کہا کیا آج غصے میں ابا میاں کی یخنی ہی بنا ڈالی سچ سچ یہ تو بڑا برا ہوا۔"

اور عالیہ جواب میں بڑے اوپری سے انداز میں مسکرائی۔

"خیر کسی کی یخنی بنانی ہو یا قیمہ میں تمہیں اب کہیں نہ جانے دوں گا تھوڑی میں صائمہ سے کہہ دوں گا وہ آخر کس مرض کی دوا ہے۔" وہ اسے بستر پر بٹھا کر باہر جانے لگا تو عالیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"آپ صائمہ سے کچھ نہ کہیں بس ایک منٹ کا کام ہے میں آپ کے لئے چائے بھی لے آؤں گی۔" اور پھر عالیہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے مگر تیسرا منٹ نہ ہونے پائے ورنہ میں وہیں سے تمہیں پکڑ لاؤں گا۔" اس نے کمرے سے باہر نکلتی عالیہ کو وارننگ سی دی۔

دونوں میں صلح ہو گئی تھی صفائی نے دل میں بھری کدورتوں کو بھی کاٹ دیا تھا مگر وہ برابر محسوس کر رہا تھا کہ اس ناخوشگوار واقعے کے بعد سے عالیہ اس سے کھنچی کھنچی سی رہتی ہے اور اگر کھنچی کھنچی سی ہی

رہتی تو وہ یہی سمجھتا کہ اس کے دل پر اب تک اس تلخ واقعے کا اثر غالب ہے۔ مگر عالیہ تو کچھ بجھ کر بھی رہ گئی تھی ہر دم سوگوار سی رہتی تھی یوں جیسے کسی کا غم کر رہی ہو۔ یہ بات اس نے بڑی شدت سے محسوس کی تھی۔ چونکہ اس کے خیال میں سوائے اس تلخ واقعے کے کوئی دوسرا سبب ہی نہیں ہو سکتا تھا' اس لئے عالیہ سے اس نے اس سلسلے میں کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

*_*_*

اماں گئی تھیں ایک دو ہفتے قیام کے ارادے سے مگر وہاں صالحہ کی بیماری نے کچھ طول کھینچ لیا تھا۔ اماں وہیں کی ہو کر رہ گئی تھیں البتہ اعظم کو انہوں نے واپس بھیج دیا تھا کیونکہ ایک تو وہ اپنے والد کا کاروبار سنبھالے ہوئے تھا اور دوسرے پڑھ بھی رہا تھا۔

صائمہ کی چھٹیاں ہو گئی تھیں۔ اور اماں نے اسے بھی اپنے پاس بلایا تھا اور ان دنوں صائمہ اماں کے پاس بہاولپور جانے کی تیاریاں کر رہی تھی کہ اس کی روانگی سے دو دن قبل عالیہ نے اپنے میکے جانے کی خواہش ظاہر کی تو تنور نے کہا۔

"تمہیں پہلے خیال نہیں آیا تھا جواب ایسے موقع پر جانا چاہ رہی ہو' جب کہ صائمہ بہاولپور جانے کو تیار بیٹھی ہے۔ تم ہی بتاؤ اگر تم چلی گئیں تو گھر میں رہ کون جائے گا۔"

"لیکن میں تو صرف دو تین روز کے لئے ہی جا رہی ہوں کوئی ہمیشہ کے لئے تو نہیں۔ یہ کہئے کہ آپ مجھے بھیجنا پسند نہیں کرتے۔" عالیہ برا ماننے کے سے انداز میں بولی۔

"کمال ہے۔ کیا تم میری فطرت سے واقف نہیں ہو جو تمہیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ میں تمہیں وہاں بھیجنا پسند نہیں کرتا۔ بھئی یہ تو وقت اور موقع کی بات ہے۔ پرسوں صائمہ بہاولپور جا رہی ہے اور تم بضد ہو کہ تمہیں میکے جانے دوں۔" وہ جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"تو صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ میں وہاں نہیں جا سکتی۔" عالیہ نے بڑے طنز سے ہاتھ چلا کر کہا۔

"اچھا یہی سمجھ لو۔" اسے بھی عالیہ کے طنز کرنے اور برا ماننے پر تاؤ آگیا وہ درشت لہجے میں بولا اور بس اسی بات پر اس کے اور عالیہ کے درمیان ایک تلخی سی پیدا ہو گئی عالیہ نے اس سے منہ پھلا لیا اور اس نے بھی عالیہ کے اتنے بے موقع میکے جانے کے مطالبے کو اس کی بے جا ضد تصور کرتے ہوئے اسے منہ لگانا چھوڑ دیا' وہ خود کو اپنے اس رویے میں حق بجانب سمجھتا تھا' وہ عالیہ کے کتنے مان اور ناز برداریاں کرتا تھا' اسے کتنی شدت سے چاہتا تھا' اور عالیہ تھی کہ اسے خاطر میں نہ لاتی تھی۔ معمولی معمولی بات پر بگڑ کر بیٹھ جاتی تھی۔ اسی وجہ سے تو اس مرتبہ اس نے عالیہ کی خفگی کو ذرا سی بھی اہمیت نہ دی تھی پھر بھی وہ عالیہ کو ناراض کر کے بڑی بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔

اس روز صائمہ شام کی ٹرین سے بہاولپور جا رہی تھی' تنور کا ان دنوں چونکہ کام بہت بڑھا ہوا تھا اس لئے طے یہ ہوا کہ اسی کی کار میں اعظم صائمہ کو اسٹیشن چھوڑ کر آئے گا' ٹرینیں لیٹ بھی ہو جایا کرتی ہیں نہ معلوم اعظم کو واپسی میں کتنی دیر لگے' ساڑھے آٹھ بجے شب تو ریل کی روانگی ہے۔ کیوں نہ میں گھر چلا جاؤں' عالیہ بالکل تنہا ہو گی اور پھر لاج پاپ کا خیال تھا اصل میں اس کا ایک ہم پیشہ شیر آرہا تھا' اور ادھر اس روز اس کے پاس کار بھی نہ تھی' اس لئے یہ سب سوچ کر اپنا باقی ماندہ کام اپنے ایک اور ساتھی کے سپرد کر کے وہ بھی گھر جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا' اور اپنے اسی ہم پیشہ کی کار میں گھر کا رخ کرتے ہوئے اس نے سوچا۔

واقعی کبھی کبھی میں بھی عالیہ پر خواہ مخواہ ہی زیادتی کر بیٹھتا ہوں' اماں نے اس کے بار بار میکے جانے پر اعتراض کر کے اور طعنے دے دے کر پہلے ہی اس کا میکے جانا بند کرا دیا تھا۔ کبھی ہفتوں مہینوں میں جاتی بھی ہے بے چاری تو بس کھڑے کھڑے اور اب تو جب سے اماں گئی ہیں۔ کبھی گئی ہی نہیں بے چاری ورنہ دل تو بہت چاہتا ہو گا اپنی ماں بہنوں سے ملنے کو جب کہ رہائش بھی ایک ہی شہر میں ہے' اور اسی وجہ سے وہ

وہاں جانا چاہ رہی ہوگی کہ صائمہ بھی اماں کے پاس جا رہی ہے' نہ معلوم وہ اور اماں کب تک واپس آئیں اور میں نے خوامخواہ اس کی ذرا سی خواہش کو رد کرکے اس کا دل توڑ کر رکھ دیا۔ خیر میں کل ہی تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی اسے اس کی امی اور بہنوں سے ملوانے لے جاؤں گا۔" وہ تمام راستے یہی سوچتا رہا' وہ جو اپنی کوتاہیوں اور زیادتیوں کو جلد ہی تسلیم کرلینے کا عادی تھا' وہ عالیہ کی بہت سی خامیوں کے باوجود اسے دل و جان سے چاہتا تھا جب کہ عالیہ کی طرف سے اپنی اتنی شدت چاہت کے جواب میں اسے اتنی گرمجوشی بھی نہیں ملی تھی' جس کا وہ عالیہ سے خواہاں تھا' متمنی تھا۔

کار سے اتر کر اس نے کلائی پر بندھی رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ ساڑھے آٹھ ہی ہو رہے تھے۔ گویا ابھی اعظم اسٹیشن پر ہی تھا۔ عالیہ اس سے سخت خفا تھی۔ اور یہ اس کی کمزوری تھی' عالیہ اس سے خفا ہو جاتی تو اسے ایسا محسوس ہوتا کہ زندگی ہی اس سے روٹھ گئی ہو اور آج تو وہ ہر طریقے سے اسے منانے کا تہیہ کرکے آیا تھا۔ وہ تو سمجھ رہی ہوگی کہ میں اپنے اسی گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کے وقت آؤں گا اس نے دل میں سوچا اور پھر بڑی لگن اور شوق سے اندر کا رخ کیا۔ اس روز بھی گھر پہ غیر معمولی سناٹا طاری تھا نیچے کچن وغیرہ بھی سب بند پڑا تھا۔ عالیہ کو سرپرائز دینے کی غرض سے وہ چپکے سے بیڈ روم میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اس نے بے حد آہستگی سے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور احتیاط سے اسے دھکیلا تو خلاف دستور دروازہ اندر سے بند پایا' شاید ڈر کی وجہ سے عالیہ کھٹکا لگا کر بیٹھی ہے۔ اس نے ایک لمحے کو دل میں سوچا اور پھر آہستہ سے اپنے مخصوص انداز میں دروازہ کھٹکھٹایا۔

اور اسی دم عالیہ کی خوف و دہشت میں ڈوبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اف یہ جمیعے شاید کوئی دروازے پر دستک دے رہا ہے۔"

"تمہارے کان بج رہے ہوں گے ورنہ میں تو کوئی دستک نہیں سنی۔" وہی مردانہ بھاری آواز آئی تو اسے یوں لگا جیسے چھتیں اور دیواریں اس پر گر رہی ہوں۔ وہ دروازے سے کان لگائے ساکت کھڑا رہ گیا۔

"لیکن میں نے تو سنی ہے' اف آخر آپ یہاں کیوں آگئے اگر آذر کو معلوم ہوگیا تو پھر۔"

عالیہ ہراس کے عالم میں قدرے اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ جب کہ مرد کی آواز بہت نیچی اور بھنچی بھنچی سی تھی کوشش کے باوجود وہ سن ہی نہ سکا کہ اس نے عالیہ کی بات کا کیا جواب دیا۔

"ہاں مجھے بھی احساس تھا۔ میں خود آپ سے ملنے کے لئے تڑپ رہی تھی' مگر کیا کرتی سخت مجبور تھی۔ آذر نے وہاں آنے کی اجازت ہی نہیں دی۔"

"اس لئے تو آج پھر میں اتنا بڑا رسک لے کر۔" آگے کچھ سنائی ہی نہ دیا۔

"اچھا اچھا' خدا کے لئے آپ جلدی سے یہاں سے چلے جایئے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے۔ میں تباہ و برباد ہو جاؤں گی۔" عالیہ کی ملتجیانہ اور خوشامدانہ سی آواز آئی۔

"نہیں نہیں۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے' تمہاری مسرتوں اور سکون کی خاطر تو میں نے اپنی عزت اور جان کی بازی لگائی ہے اچھا آؤ آخری بار میرے گلے سے لگ جاؤ پھر یا قسمت یا نصیب نہ معلوم کبھی ملنا بھی ہو یا۔"

اور وہ جواب تک بڑے ضبط و تحمل سے کام لے کر دروازے سے کان لگائے کھڑا یہ ساری گفتگو سن رہا تھا۔ اس کی شریانوں کے اندر چٹختی ہوئی چنگاریاں اس کی غیرت نفس پر' اس کی شرافت اور مردانگی پر آتشی کوڑے بن کر گریں تو اس کے پورے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور اس نے توڑ دینے کے سے انداز میں دروازے کو اتنے زور سے دھڑ دھڑایا کہ دیواریں لرز اٹھیں۔

"دروازہ کھولو ورنہ میں اسے توڑ ڈالوں گا۔" اس نے چیخ کر کہا۔

اور ادھر سناٹا چھا گیا مگر وہ برابر دروازہ کھٹکھٹاتا رہا۔ وہ چاہتا تو دوسرے دروازے سے بھی اندر جا سکتا تھا۔ جو بیرونی سمت کھلتا تھا۔ مگر اس کا تو پورا وجود غصے

سے کھول رہا تھا۔ اسے خیال ہی نہ آیا۔ اور ابھی اس نے دروازے پر مکا مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ عالیہ نے اندر سے دروازے کی چٹخنی کھول دی۔

دھوئے ہوئے کپڑے کی طرح سفید پڑتی عالیہ چٹخنی گرتے ہی ایک کونے میں دبک کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے پوری قوت سے دروازہ کھولا۔ اور پاگلوں کی طرح اسی دروازے کی طرف بڑھا جو بیرونی سمت کھلتا تھا۔ اس نے لوچ دینے کے سے انداز سے دروازے پر پڑا پردہ اٹھایا تو دروازہ اندر سے مقفل تھا۔ اور اس دروازے کو چند روز پہلے عالیہ کے خوف زدہ ہو جانے کے خیال سے اس نے خود مقفل کیا تھا اور اب اس دروازے کے سوا اس شخص کے لیے جس نے اس کی بیوی سے ناجائز تعلقات قائم کر کے اس کی غیرت کو للکارا تھا۔ فرار کی کوئی راہ ہی نہیں رہ جاتی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کی خواب گاہ میں ہی کہیں چھپا ہوا تھا۔

مقفل دروازے نے اسے اور بھی مشتعل کر دیا تھا۔ اس نے مڑ کر خواب گاہ میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر سامنے کونے میں دبکی لرزتی کپکپاتی عالیہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ اس پر اس طرح جھپٹا جیسے باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے ایسے شکار پر جو عین اس کی گرفت کی زد میں ہو' اور پھر اس نے عالیہ کا گریبان پکڑ کر بڑی بے دردی سے اسے جھٹکے دیتے ہوئے پوچھا۔

"بتاؤ اسے کہاں چھپایا ہے۔ تم تو۔" عالیہ اس مرتبہ خود بھی ریت کی دیوار ثابت ہو رہی تھی۔ اب اس کا کوئی عذر' کوئی بہانہ اسے آذر کے غضب سے نہیں بچا سکتا تھا۔

"فاحشہ عورت! بتا وہ تیرا آشنا کہاں ہے؟ تو اب تک میری آنکھوں میں دھول ہی جھونکتی رہی' مگر اب میں تجھے جان سے ہی مار ڈالوں گا۔ بدچلن اور آبرو باختہ عورتوں کو مار ہی دینا چاہیے۔" وہ غصے سے آگ بگولا ہو کر بولا اور اس کا گلا گھونٹ کر مار ہی دینا چاہتا تھا کہ وہ رکتے ہوئے سانسوں کے ساتھ بھنچی بھنچی آواز میں بولی۔

"میں مرجانا پسند کروں گی مگر آپ کو یہ راز کبھی نہیں بتاؤں گی۔" اور ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ عین اس کی پشت پر بیناپارلر کے دروازے کو کوئی زور زور سے کھٹکھٹانے لگا اور آذر کی گرفت نہایت غیر اختیاری طور پر اس کی گردن پر ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے خون بار نظروں سے ایک لمحے کو عالیہ کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی طرف جس پر زور زور سے دستک ہو رہی تھی۔

"ہوں تو یہاں چھپا رکھا ہے اپنے۔۔۔" اس نے ایک بہت غلیظ سا لفظ کہا اور عالیہ کو ہٹا کر دروازے کی طرف بڑھنا ہی چاہتا تھا کہ عالیہ دروازے سے پیٹھ لگا کر تن کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"نہیں نہیں۔ آپ اسے نہیں کھول سکتے' جب تک میں زندہ ہوں۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔"

مگر اس نے ایک جھٹکے سے عالیہ کو دروازے کے آگے سے ہٹا دیا اور چٹخنی کھولنے لگا تو عالیہ اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

"خدا کے لئے آذر! میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں' ان کی راہ میں حائل نہ ہوئیے۔ نہیں تو ہم سب کی قسمت تاریک ہو جائے گی۔"

مگر اس نے عالیہ کو اٹھا کر پوری قوت سے پٹخ دیا۔ اور ہاتھ بڑھا کر دروازے کی چٹخنی کھول دی۔ اسی دم دروازہ کھلا اور جو کوئی بھی دروازے پر نمودار ہوا' اسے دیکھ کر آذر ایک لمحے کو تو چونک ہی گیا پھر اس کی خون بار آنکھوں میں نفرت اور حقارت کی بھٹی سلگ اٹھی۔

"ہوں تو یہ تم ہو' خود اپنی عزت اور ناموس کے دشمن' بہن کے دلال' ہٹو میرے راستے سے' میں بھی تو دیکھوں تم نے اپنے شکار کو کہاں چھپا رکھا ہے۔"

"تمیز سے بات کرو گستاخ! مجھے اپنی بہن کا پاس نہ ہوتا تو تمہاری اس ذلیل گفتگو پر ہی تمہارا جبڑا توڑ کر رکھ دیتا۔" عالیہ کا بڑا اور اکلوتا بھائی مظہر آذر کی اخلاق سوز گفتگو سن کر اپنے آپے میں نہ رہا اور آذر نے بڑھ

کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔
"تم ذلیل کمینے عورتوں کے دلال ہم میں اتنی ہمت ہے کہ میرا جبڑا توڑ دو گے۔۔ بے غیرت انسان! میں تمہارے سارے دانت تمہارے حلق میں گھسا دوں گا۔"
آذر بھی غصے میں آپے سے باہر ہو گیا اور قریب تھا کہ دونوں گتھم گتھا ہو جاتے کہ فرش پر پڑی کراہتی ہوئی عالیہ تیزی سے گھسٹتی ہوئی ان دونوں کے نزدیک آئی اور چلا کر بولی۔
"بھائی جان! آپ کو میرے سہاگ کا واسطہ آپ انہیں کچھ نہ کہیں۔ یہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں۔ غصے اور لاعلمی میں کہہ رہے ہیں۔ آپ کو امی کی قسم بھائی جان! اپنے مرے ہوئے باپ کی قسم۔"
اور پھر شدت گریہ سے عالیہ کی آواز بند ہو گئی مظہر نے ایک نظر اپنی روتی اور فریاد کرتی بہن پر ڈالی اور پھر مضبوطی سے پکڑی آذر کی کلائیوں سے اپنے ہاتھ ہٹا لیے۔ عالیہ بھائی کے ہاتھ کا سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ مگر خوف و ہراس کی وجہ سے اس کے اشک بھی رک رک کر بہہ رہے تھے۔ آذر پر ابھی تک جنون سوار تھا۔ وہ مظہر کا گریبان پکڑے کھڑا تھا۔ اور اس کی اس حرکت پر عالیہ بڑی ملتجی نظروں سے بھائی کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"انہیں چھوڑ دیجئے آذر! میں حلفیہ کہتی ہوں کہ ان کے سوا یہاں کوئی بھی نہ تھا۔"
مگر آذر پر اس کی بات کا ذرا سا بھی اثر نہ ہوا، وہ بھنائے ہوئے لہجے میں بولا۔
"تم مجھے مزید دھوکہ نہیں دے سکتیں بدکار عورت، میں تمہارے اس بدمعاش بھائی کو بھی مزہ چکھائے بغیر نہ رہوں گا۔"
اور اپنی اس اہانت پر مظہر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے پوری قوت اور جذب سے آذر کو دھکا دیا تو آذر پیچھے کو ڈول گیا۔ اور تبھی عالیہ ان دونوں کے درمیان میں آ گئی۔
"آذر پلیز! صرف ایک بار اور میری بات سن لیجئے۔ آپ کو اماں جان کی قسم، صرف آخری بار میری بات سن لیجئے۔ پھر چاہے آپ میری جان بھی لے لیجئے گا۔"
اور وہ جو سنبھل کر اس کے بھائی پر جھپٹنا ہی چاہتا تھا۔ عالیہ کے بیچ میں آ کر کھڑے ہو جانے پر نہ جانے کیوں اپنی جگہ پر ساکت سا رہ گیا خوف و دہشت کی وجہ سے اس سے عالیہ کے آنسو بھی آپ ہی آپ خشک ہو گئے۔ مگر اس کی فق رنگت، خشک ہونٹ اور کانپتا لرزتا وجود، عالیہ کی یہ ساری کیفیات، دھوکہ، فریب، ریا اور مکاری کی مظہر ہرگز نہ تھیں۔ شاید اسی ایک احساس نے آذر کو اپنے ارادوں سے باز رکھا تھا۔
"ہاں بتا دو آج اسے سب کچھ عالیہ! کوئی بات بھی نہیں چھپانا جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہنا۔" مظہر آذر کے غضبناک سے موڈ میں سکوت پیدا ہو جانے پر یوں بولا جیسے عالیہ کی ہمت بندھا رہا ہو۔
"یہ یہ چھپ چھپ کر مجھ سے ملنے آتے تھے۔ اس لیے اس لیے کہ ان کا وارنٹ نکلا ہوا تھا۔" اٹکی بات بڑے کرب کے ساتھ ہونٹ بھینچ کر عالیہ نے کہی۔ اور چھلکتی ہوئی آنکھوں کو آذر پر مرکوز کر کے رقت سے بوجھل آواز میں دل کا سارا کرب شامل کر کے بولی۔
"یہ گھر میں بھی نہیں رہ سکتے، وہاں بھی چوری چھپے جاتے ہیں، اسی طرح مجھ سے بھی ملنے آ جاتے ہیں۔ حالانکہ میں نے انہیں سختی سے یہاں آنے کی ممانعت کر دی تھی۔ مگر اب یہ کبھی یہاں نہ آئیں گے، یہ ان سے میری آخری ملاقات ہے آذر۔ کیونکہ یہ کل سعودی عرب روانہ ہو رہے ہیں۔"
"اوہ۔۔۔ تو یہ کہو کہ یہ یہاں سے منہ کالا کر کے کہیں بھاگ رہے ہیں۔ مگر کیا تم سمجھتی ہو، میں اتنی آسانی سے اس ضمیر فروش اور خطرناک مجرم کو یہاں سے نکلنے دوں گا۔ میں تو اب اسے پولیس کے حوالے کر کے ہی دم لوں گا۔"
آذر نے عالیہ کی ساری بات نہایت تحمل اور خاموشی سے سنتے رہنے کے بعد بڑے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔
"نہیں نہیں آذر! آپ انہیں پولیس کے حوالے

نہ کیجیے۔ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ کسی کے یہاں ڈاکہ ڈالا ہے نہ چوری ہی کی ہے یہ تو گردش ایام میں آ گئے ہیں۔" آذر کی دھمکی پر عالیہ تڑپ کر بولی۔

"نہیں عالیہ! یہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے' اسے کر لینے دو۔ اگر تباہی اور بربادی ہی میرا مقدر بن گئی ہے تو اسے کون روک سکتا ہے۔" مظہر نے بڑے یاس بھرے لہجے میں کہا اور پھر آذر سے بولا۔

"تمہیں اس سلسلے میں زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ میں خود اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گا البتہ تم سے اگر ہو سکے تو تھانے تک میرے ساتھ چلو۔"

"ارے نہیں آپ اپنے پیروں کو زحمت کیوں دیتے ہیں وہ لوگ خود ہی آ کر آپ کو یہاں سے اٹھا لیں گے۔ بس تھوڑا سا انتظار ضرور کرنا پڑے گا۔"

آذر نے بڑے جلے بھنے لہجے میں کہا اور فون کرنے کی غرض سے پارلر میں جانے لگا تو سارا ڈر اور خوف بالائے طاق رکھ کر عالیہ اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

"میں اپنی جان دے دوں گی آذر! مگر آپ کو کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانے دوں گی جو میرے پورے خاندان کی تباہی کا باعث بن جائے۔ میں نے بقول آپ کے اگر دھوکہ ہی دیا ہے تو صرف اپنی مصلحتوں کے تحت' اور ایک ماں جائے سے چھپ کر ملنا کوئی ایسا جرم تو نہیں جس کی معافی ہی نہ ہو۔" عالیہ نے بڑی جرات اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

"ہونہہ ماں جایا۔ مجرم اور روسیاہ کہو۔" آذر نے اپنی دانست میں بڑی گہری چوٹ کی۔

"ٹھیک ہے اگر یہ مجرم اور روسیاہ بھی ہیں تو انہیں ایک ایسے جرم کا ارتکاب کرنے پر جو آپ کی نظروں میں ناقابل تلافی ہے۔ آپ کی والدہ اور بہن نے ہی مجبور کیا تھا۔" عالیہ بڑے تیکھے لہجے میں بولی۔

"میری ماں کا نام نہ لو ذلیل عورت۔" وہ بپھر کر بولا۔

"کیوں نہ لوں آپ کی ماں کا نام۔ وہی تو اس ساری تباہی کی اصل ذمے دار ہیں۔ انہوں نے ہی تو جہیز میں دینے کے لیے قیمتی اور قسم قسم کی چیزوں کا مطالبہ کر کر کے ہمیں اس حال کو پہنچایا ہے کہ بھائی جان گھر سے بے گھر ہو گئے ہیں۔ امی کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے اور بہنوں کا چین و سکون برباد۔"

"منحوس بدذات عورت! اب اگر تم نے اماں کا نام لیا تو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے بھائی کے ڈراوے میں آ کر میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

"لیجیے یہ میرا منہ حاضر ہے۔ آپ اسے توڑیں یا مسخ کر دیں۔ مگر آج میں وہ سب کہے بغیر نہ رہوں گی جس نے پورے تین سال سے میری زندگی کو جہنم بنا رکھا ہے۔" عالیہ نے غصے میں اپنا چہرہ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ جانے کیا بات تھی کہ اس نے عالیہ کی اس جرات رندانہ پر کوئی رد عمل نہیں دکھایا۔ وہی کڑے تیور لیے ہونٹ بھینچے خاموش کھڑا رہا۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی شعلوں کی لپک تھی۔

"ہم نے تو اپنی اجلے پوشی قائم رکھنے کے لیے اپنی ظاہری حیثیت ہی بنا رکھی تھی۔ کیونکہ ابا میاں ہماری کمسنی میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ انہوں نے جو تھوڑا بہت اثاثہ چھوڑا تھا' بس اسی کے سہارے ہم پروان چڑھتے رہے۔ امی جان نے اپنی ساری پونجی بھائی جان کی تعلیم پر لگا دی تھی۔ خدا خدا کر کے وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں تو ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔"

ایک جذب اور روانی سے اپنی بات کہتے کہتے عالیہ کے گلے میں دھسک سی ہونے لگی تو اس نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا۔ مگر غم و یاس کی بدلیاں پھر پلکوں کی سرحدوں پر جمع ہونے لگی تھیں۔ ضبط کی ہزار کوشش کے باوجود' جن سے چند بوندیں رخساروں پر ٹپک گئیں۔

"بھائی جان کو لاہور کی ایک مل میں چیف اکاؤنٹنٹ کی نوکری ملی تھی۔ تنخواہ کل دس ہزار تھی۔ اور یہ اپنا خرچ رکھ کر باقی ساری تنخواہ امی کو بھیج دیتے تھے۔ اور اس طرح چھ ہزار روپے ماہوار ہمارے دموں کے سر آتے اور دبے پاؤں جاتے تھے مگر ابھی بھائی جان کو ملازمت کرتے چھ ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ

ایک دن آپ کی والدہ اور بہن مجھے دیکھنے آگئیں۔ امی اس وقت میری شادی کرنے کی پوزیشن میں بالکل نہ تھیں اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ابھی میں نے عالیہ کا جہیز تیار نہیں کیا' اور نہ اس قابل ہوں کہ جلدی شادی کر سکوں۔ لیکن بدقسمتی سے اماں جان اور باجی کو میں اتنی پسند آئی تھی کہ انہوں نے ہمارے دروازے کی مٹی لے لی۔"

"منو میں ایسی کوئی بکواس سننے کا متحمل نہیں۔ اور تم خواہ اپنے بھائی کی صفائی میں کچھ ہی کہہ دو' میں وہی کروں گا جو میرا فرض ہے۔" وہ عالیہ کے بدقسمتی کہنے پر کھول اٹھا۔

"میں بھی آپ کے ارادوں میں حائل نہیں ہوں گی۔ لیکن کم از کم مجھے بھی تو ایک بار دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع دیجئے۔ اماں جان نے مجھ پر کون سا ستم نہیں توڑا۔ اپنی اہانت آمیز گفتگو اور دل آزار باتوں سے میرا دل و جگر چھلنی کر کے رکھ دیا' میرے ہر کام میں عیب نکالے' میری ذرا ذرا سی بات پر نکتہ چینی کی۔ مجھے میری غریبی کے طعنے دیئے حتیٰ کہ یہاں تک کہہ دیا کہ اب خواہ آذر اسے ڈاکٹر کو دکھائے یا نہ دکھائے' میں تو اپنے بچے کی دوسری شادی کر دوں گی۔ لیکن کیا میں آپ کے سامنے کبھی حرف شکایت زبان پر لائی۔ کیا میں نے کبھی اماں کے خلاف آپ کے کان بھرے کیا میں نے۔۔۔"

"یہ سب بے کار باتیں ہیں عالیہ' اور انہیں جتانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں۔ یہ جو کچھ بھی کرنا چاہ رہا ہے اسے کرنے دو میں برے سے برے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

مظہر جو اب تک بالکل خاموش اور ستا ستا سا چہرہ لیے کھڑا تھا اس نے عالیہ کی بات قطع کر کے کہا۔

"نہیں بھائی جان! آج مجھے سب کچھ کہہ لینے دیجئے ورنہ میرے اندر جلتی نامرادیوں کی آگ مجھے بھسم کر کے رکھ دے گی۔" عالیہ یوں بولی جیسے آہ و بکا کر رہی ہو۔ آذر بدستور اپنے اسی خونخوار موڈ میں کھڑا تھا۔ اور عالیہ کو بری طرح گھور رہا تھا۔

"امی نے تو صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ مگر اماں جان اور باجی ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گئیں۔ جب تک نسبت قرار نہیں پائی یہی کہتی رہیں کہ ہمیں صرف عالیہ چاہیے۔ آپ جہیز وہیز کی فکر نہ کریں۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ ہم خود اپنی بچی کے لیے سب کچھ بنا لیں گے۔ مگر اس کے باوجود بھی امی میرا جہیز جمع کرتی رہیں۔ لیکن جب نسبت قرار پائی تو اماں جان اور باجی کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی اور ہر دوسرے تیسرے دن اسی ٹوہ میں ہمارے گھر آتیں کہ امی جہیز میں مجھے کون کون سی چیزیں دینے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ امی کو بھی احساس تھا کہ ایک متمول گھرانے میں انہوں نے بیٹی کی بات ٹھہرائی ہے' اپنی حیثیت سے زیادہ انہیں تبھی کرنا ہوگا کیونکہ اس وقت تک اماں جان اور باجی نے کھل کر ان سے کچھ نہ کہا تھا مگر ادھر تاریخ ٹھہرنا اور ادھر اماں جان کے نت نئے مطالبات بڑھتے ہی چلے گئے اور پھر۔۔۔ پھر امی کو مجبور ہو کر بھائی جان کو لکھنا پڑا۔"

عالیہ نے ایک تسلسل کے ساتھ بولتے بولتے ایک زور کی سسکی لی۔ اور اتنی دیر سے رکا سیل اشک یکدم ہی بہہ نکلا۔

"تاریخ ٹھہر گئی تھی۔ دعوت نامے چھپنے چلے گئے تھے اور ادھر لوگوں کی انگشت نمائی کا خیال تھا۔ امی انکار ہی نہیں کر سکتی تھیں۔ ویسے بھی کون سی ماں ایسی ہو گی جو اپنی بیٹی کا سکھ اور چین دیکھنا نہ چاہے گی۔ مگر اماں جان کے بڑھتے ہوئے مطالبات کو پورا کرنا امی کے بس میں نہ تھا۔ پھر بھی انہیں دنیا کی نظروں میں اپنا بھرم اور اپنی عزت تو قائم رکھنی ہی تھی اور بھائی جان کی مدد لیے بغیر وہ کچھ بھی نہ کر سکتی تھیں۔ گو انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کا بیٹا اتنی استطاعت بھی نہیں رکھتا کہ شادی کے اخراجات ہی ادا کر سکے۔ جہیز جمع کرنا اور اماں جان کی خواہش کے مطابق جمع کرنا تو بڑی بات تھی۔ پھر بھی یہ بہن کی زندگی کا معاملہ تھا۔ اپنے خاندان کی عزت کا سوال تھا۔ اس نے اپنی عزت داؤ پر لگا کر آفس کے اکاؤنٹ میں سے تین لاکھ روپے خرد برد کر کے ماں کو بھجوا دیے اور یوں اپنی عزت اور جان پر کھیل کر ساری زمانے کی خواری اپنے

سر لے لی۔ یہی تو میری بیوہ ماں اور بہنوں کا واحد سہارا تھے۔ آذر۔ اب یہ نوبت ہے کہ میری ماں اور بہنوں کو ڈھنگ سے کھانے کو بھی نصیب نہیں۔"

عالیہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ کیا یہ سب کیا دھرا آپ کی ماں اور بہن کا نہیں ہے۔ کیا ان کی وجہ سے ہمارے خاندان پر یہ مصیبت نہیں آئی۔ جس کے نتیجے میں آج میرا جان سے پیارا اکلوتا بھائی بے در اور بے گھر ہو کر چوروں کی طرح چھپا چھپا پھر رہا ہے۔ تو امی نے جو کچھ بھی ان کے پاس بچا کھچا تھا۔ سب کچھ بیچ ڈالا۔ پھر بھی تین لاکھ کی رقم وہ کس طرح سے پوری کر سکتی تھیں۔"

عالیہ نے رندھے ہوئے گلے کے ساتھ اشکوں کی یلغار میں بڑی بے بسی سے کہا اور وہ جو شروع ہی سے اماں کی زیادتیوں سے واقف تھا اور عالیہ کی کسی بات کی نفی کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ ساری حقیقت جان لینے کے باوجود بھی اس کا دل ذرا بھی نہ پسیجا۔

"بہر حال..... مجھے ایک چور اور غاصب شخص کی بہن کی رفاقت بالکل منظور نہیں۔ اماں واقعی بالکل ٹھیک ہی کہتی ہیں کہ ہم بہت غلط جگہ پھنس گئے ہیں۔ لیکن میں کہیں پھنسنے دھنسنے کا قائل نہیں ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ تم اسی وقت یہاں سے چلی جاؤ۔" وہ اپنی نفرت میں ایک کراہیت سی شامل کر کے بولا۔ اور عالیہ نے بڑی بے بسی سے مظہر کی طرف دیکھا۔

"لیکن اس نے تو کوئی ایسا قصور نہیں کیا آذر۔ تمہیں جو کچھ کرنا ہے میرے ساتھ کرو۔ کیونکہ اپنی مجبوریوں کے تحت غبن تو میں نے کیا ہے۔" مظہر نے قدرے عاجزی سے آذر کو مخاطب کر کے کہا۔

"تو کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا یا فرار ہونے میں مدد کروں گا۔" اس نے ایک زہر خند سے کہا۔

"نہیں، نہیں، آپ انہیں چھوڑ دیجئے آذر۔ خدا کے لیے آذر یہ رحم کیجیے ورنہ میری ہی نہیں میری دونوں بہنوں کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ آخر آپ بھی تو دو بہنوں کے بھائی ہیں۔ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے اگر خدانخواستہ بھائی جان کے بجائے آپ کو ایسے سنگین حالات کا سامنا کرنا پڑتا تو آپ کیا کرتے؟ میرے بھائی نے تو میری خوشیوں کی خاطر اپنی زندگی تباہ کر لی۔ خدارا انہیں جانے دیجئے آذر! یہ یہ وہی رقم واپس کرنے کے ارادے سے تو جا رہے ہیں۔ ان کی زندگی بالکل تو تباہ نہ کیجئے۔"

اور پھر روتی بلکتی عالیہ نے اس کے پیر پکڑ لیے۔ وہ کچھ دیر تو بت کی طرح ساکت سا کھڑا رہا۔ پھر اس کی گرفت سے اپنے پیر چھڑاتے ہوئے بولا۔

"اچھا جاؤ۔ مگر جس قدر جلد ممکن ہو سکے تم دونوں میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ میں اب ایک منٹ کے لیے بھی تم دونوں کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"اوہ۔" عالیہ نے جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھے اور اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے مظہر کی طرف دیکھا۔ جس کے تھوڑے تھوڑے بجھے ہوئے چہرے پر بڑی تیزی سے رنگ بدل رہے تھے عالیہ بھی ایک منٹ ضائع کرنا نہ چاہتی تھی۔ اس کے لیے یہی کیا کم تھا کہ آذر نے اس کے بھائی کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔ گو بھائی کے چہرے سے شرمندگی اور تاسف صاف عیاں تھا مگر اس نے اس کی ہر کیفیت کو نظرانداز کر دیا۔

"آیئے بھائی جان۔" اس نے دوپٹے سے اچھی طرح سر ڈھانپے ہوئے پست سی آواز میں کہا اور پھر بھائی کا ہاتھ پکڑ کر خوابگاہ سے باہر نکل آئی۔

وہ اسے جاتا دیکھ کر قدم بڑھا کر پارلر میں آ کھڑا ہوا تھا اور جانے کتنی دیر کھڑا رہا تھا اور کیا کیا سوچتا رہا تھا کہ وقت کے گزرنے کا اسے احساس ہی نہ رہا تھا۔ البتہ عالیہ کے آخری فقرے، دور سے آتی کسی آواز کی طرح اب تک اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

"ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے اگر خدانخواستہ بھائی جان کے بجائے آپ کو ایسے سنگین حالات کا سامنا کرنا پڑتا تو آپ کیا کرتے میرے بھائی نے تو میری خوشیوں کی خاطر اپنی زندگی تباہ کر لی۔"

"وہ ڈیم اٹ۔" نہ معلوم اپنی کس سوچ کے تحت اس کے منہ سے نکلا۔ اور تب ہی باہر کار کا انجن بند

ہونے کی آواز آئی۔ شاید اعظم آگیا تھا۔ اس نے اپنی رسٹ واچ میں وقت دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ کچھ سوچ کر پہلے باہر جانے کے ارادے سے پارلر سے باہر نکلا مگر پھر پلٹ کر الماری کی طرف بڑھا اور اس کی بالائی دراز کھول کر اس میں سے کوئی چیز نکالی اور جیب میں ڈال کر باہر آگیا۔ باہر اعظم کھڑا تھا جو اسے دیکھتے ہی بولا۔

"کمال ہے بھائی جان! یعنی کہ آپ یہاں آبھی گئے اور ادھر میں آپ کو لینے آپ کے آفس پہنچا تو کسی نے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

"ہوں۔ بس ذرا جلدی اٹھ گیا تھا۔ خیر لاؤ کار کی چابی کہاں ہے۔" اس نے یوں جواب دیا جیسے اپنے ہوش میں نہ ہو۔ اعظم نے جیب سے چابی نکال کر اسے تھمائی تو وہ فوراً ہی کار کی طرف بڑھ گیا۔

*_*_*

"آپا' آپا۔ وہ دولہا بھائی آئے ہیں۔ عالیہ کی سب سے چھوٹی بارہ سالہ بہن نائلہ نے بڑے وحشت ناک طریقے سے زار و قطار روتی ہوئی عالیہ کا شانہ ہلا کر اطلاع دی تو عالیہ کے ہوش اڑ گئے۔ قریب بیٹھی ہوئی آنسو بہاتی ہوئی بہنوں کے رنگ فق ہو گئے اور اس کی امی کو اختلاج ہونے لگا۔

مگر مظہر پرسکون سا بیٹھا رہا۔

"دیکھا بھائی جان! میں نے آپ سے کتنا کہا تھا کہ اس وقت کہیں اور چلے جائیے۔ مگر آپ مانے ہی نہیں۔ اور اب وہ خود آگئے۔" عالیہ نے جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھ کر مظہر سے کہا۔

"ہاں خدا خیر کرے۔ نہ معلوم کس ارادے سے آیا ہے۔ بیٹے! تم اس وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ ابھی تو اس نے تمہیں دیکھا بھی نہیں۔" عالیہ کی امی اختلاج کی وجہ سے لرزتی کانپتی آواز میں بولیں۔ اور تبھی وہ اندر آگیا۔ حالانکہ اتنی بے تکلفی سے کبھی اندر نہیں آیا تھا۔

"نہیں میں نے انہیں دیکھ لیا ہے۔" اس نے آتے ہی کہا تو مظہر سمیت سب کو سانپ سونگھ گیا۔ عالیہ نے دہشت زدہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر گھبرا کر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں نے انہیں ہی نہیں دیکھا بلکہ اور بھی بہت کچھ دیکھ اور سمجھ لیا ہے۔" اس کا لہجہ بہت عجیب و غریب سا تھا اور اس کے چہرے پر ایک ناقابل فہم سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"بہر حال آداب عرض کرتا ہوں امی جان۔" اس نے اپنے اسی عجیب و غریب انداز میں اس کی امی کو آداب کر کے گویا ان سب کے خشک ہوتے خون کو بالکل ہی منجمد کر کے رکھ دیا۔ عالیہ کی امی اپنی بدحواسی اور گھبراہٹ میں اس کے سلام کا جواب بھی نہ دے سکیں۔

"آپ.... آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔" آخر عالیہ سے نہ رہا گیا تو اس نے پوچھ ہی لیا۔

"مجھے پکڑوانے کی غرض سے آئے ہیں اور بھلا یہ کس لیے آسکتے ہیں۔ کیا اپنے ساتھ پولیس بھی لائے ہو یا اس کے آنے کے انتظار میں کھڑے ہو۔" مظہر نے بڑے تلخ سے لہجے میں کہا۔

"جس غرض سے بھی آیا ہوں۔ ابھی آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" وہ قدم بڑھا کر عالیہ اور مظہر کے درمیان آکھڑا ہوا۔

"مگر بیٹے! تم نے کچھ تو ہمارے اور اپنے رشتے کا لحاظ کیا ہوتا۔ کیا تم یہ بھول گئے کہ ہماری بدنامی تمہاری رسوائی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔" عالیہ کی باوقار والدہ نے بڑے گلہ آمیز لہجے میں کہا۔

"یہ آپ اس سے گلے شکوے کر کے اپنی بات کیوں گرا رہی ہیں امی۔ اس کے دل میں اگر تھوڑا سا بھی خدا کا خوف ہوتا تو یہ آپ کی بے گناہ بیٹی کو اپنے گھر سے ہی کیوں نکالتا۔ بہرحال مسٹر آذر میں بھی ہر طرح سے تیار ہوں۔ آپ پورے اطمینان سے اپنے دل کے ارمان نکال سکتے ہیں۔" مظہر نے جلے کٹے سے انداز میں کہا۔

"مجھے اس قدر بھی شرمندہ نہ کیجیے بھائی جان۔ میں پہلے ہی آپ کی شان میں سخت گستاخی کا مرتکب ہو چکا ہوں۔" آذر نے ایک دم ہی بڑے معذرتی لہجے میں کہا تو تھر تھر کانپتی عالیہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور

بولی۔

"آخر ان باتوں سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ کیا مجھے نکال کر بھی آپ کے دل کا غبار ہلکا نہیں ہوا۔"

"نہیں۔ بلکہ کچھ سوا ہی ہو گیا ہے۔ مگر یہ ندامت اور تاسف کا غبار ہے عالیہ۔" وہ واقعی نادم سے لہجے میں بولا۔

"آخر تم ہماری پریشانیوں میں اضافہ کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو بیٹے۔ ہم نے تو تمہارا کچھ بگاڑا بھی نہیں۔ خدا گواہ ہے بیٹے ہم نے عالیہ کو جو کچھ بھی دیا ہے اپنی بساط سے بڑھ کر ہی دیا ہے۔ گو وہ بھی تمہارے شایاں شان نہیں مگر ہماری۔"

"اُفوہ امی جان! ایک وقت آپ ہی ان سب کی نفرتوں کے مقابلے میں میری ڈھال بن سکتی تھیں۔ میں آپ کی بردبار اور باوقار شخصیت سے کچھ ایسی ہی توقعات وابستہ کر کے آیا تھا۔ مگر آپ بھی مجھ پر دھتکار کے ڈونگرے برسانے لگیں مگر ایک نابنجار بیٹے کے لیے ماں اپنی ممتا کا دامن اس طرح تنگ تو نہیں کرتی جیسا آپ کر رہی ہیں۔" وہ عالیہ کی امی کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہوا بولا۔ اس کی گفتگو سے ایک بار پھر سب سناٹے میں آ گئے۔

"عالیہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں امی جان کہ یہ سب کچھ کیا دھرا ہمارا ہی ہے جو آپ پر مصیبتوں کے پہاڑ بن کر ٹوٹا ہے۔" اس نے مسکرا کر اپنی گفتگو کو سمجھنے میں کوشاں خاموش کھڑی عالیہ پر ایک نظر ڈالی اور پھر عالیہ کی امی سے مخاطب ہو کر بولا۔

"لیکن میرا بھی خدا گواہ ہے یا پھر عالیہ کہ میں ایسی لغو اور دوسروں کو مصیبت میں مبتلا کر دینے والی رسموں کے خلاف تھا۔ میں نے خود بھی عالیہ کو کسی جہیز کی کمی یا زیادتی کا طعنہ نہیں دیا۔ آپ خود ان سے پوچھ سکتی ہیں کہ میں نے انہی کی وجہ سے اماں کی خفگی مول لی ہے۔ اور سچ پوچھیے تو مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ اماں اور باجی نے آپ سے کس کس چیز کا مطالبہ کیا ہے۔ بلکہ میں نے تو ان دونوں کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ آپ لوگوں سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہ کریں۔ ورنہ میں سرے سے شادی ہی نہ کروں گا۔"

وہ گویا اپنی صفائی میں بڑی تفصیل سے بولا۔

"ہاں بیٹے! خدا تمہیں سلامت رکھے۔ اپنی ذات سے تو تم بہت ہی اچھے ہو۔"

اور وہ اس کی امی کی بات نظر انداز کر کے بولا۔

"نکاح والے روز یہاں جو کچھ ہوا تھا۔ اس میں بھی میری مرضی کو کوئی دخل نہ تھا بلکہ مجھے تو آج تک معلوم ہی نہ ہو سکا کہ آخر قصہ کیا تھا۔"

"آپ کی امی نے پہناونیوں میں آپ کے بھائی اور بہنوئی کے لیے اسکوٹر مانگا تھا۔" عالیہ سے چھوٹی بہن نائمہ جھٹ سے بولی تو اس کی امی نے اسے گھور کر دیکھا اور بولیں۔

"ہاں بیٹے اصل میں انہوں نے وقت کے وقت مانگا تھا۔ اگر پہلے سے بتا دیتیں تو میں اسکوٹر کا بھی انتظام کر دیتی۔"

"لیکن امی جان! خالہ جان کے جھگڑا کرنے کے ڈر سے آپ نے وقت کے وقت اسکوٹر کے پیسے تو دے دیئے تھے۔" نائمہ پھر بول اٹھی۔

"مگر جھگڑا تو مہر کی رقم پر ہوا تھا امی۔" نائمہ سے چھوٹی بہن عالمہ بھی بولے بغیر نہ رہ سکی۔

"خیر جس وجہ سے بھی ہوا تھا۔ تم کو اس سے مطلب "تم خاموش بیٹھی رہو۔" عالیہ کی امی نے اسے ڈانٹا تو عالیہ بولی۔

"ہاں بڑوں کی باتوں میں دخل نہیں دیا کرتے عالمہ۔"

"کمال ہے اماں نے اتنے بڑے بڑے کارنامے انجام دے لیے اور یہاں خبر تک نہ ہوئی۔" آذر شرمندہ اور ملول سے لہجے میں بولا۔

"نہیں مہر پر جھگڑا تو باجی نے کیا تھا۔ خود ہی عندالطلب دینے کا وعدہ کیا تھا اور عین نکاح کے وقت خود ہی مکر گئی تھیں۔" عالیہ بولی۔

"خیر چھوڑو اس قصے کو۔ شرمندگی تو ایک طرف مجھے سخت تکلیف پہنچ رہی ہے۔"

آذر اس طرح منہ بنا کر بولا جیسے واقعی اسے سخت تکلیف ہو۔

"اماں اور باجی کی باتوں سے آپ لوگوں نے ہی

ہیں میں نے اور عالیہ نے بھی کافی تکلیف اٹھائی ہے۔ مگر ایک فائدہ بھی ہوا ہے اور وہ یہ کہ میں خود ایک بڑی تباہی سے بچ گیا ہوں۔ ورنہ میری آنکھوں پر خود غرضی اور مادہ پرستی کی پٹی بندھی رہتی تو میرا بھی وہی حشر ہوتا جو نادان اور ناعاقبت اندیش لوگوں کا ہوتا ہے۔"

"لیکن یہ پٹی میں نے اتاری ہے۔" عالیہ مسکرا کر دبی زبان سے بولی۔

"ہاں اس کا سہرا بھی تمہارے ہی سر ہے۔ تم نے مجھے ٹھنڈے دل سے ساری باتوں پر غور کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ تمہارے جاتے ہی تمہاری باتوں کی روشنی میں میں نے واقعی ٹھنڈے دل سے غور کیا تو یوں محسوس ہوا جیسے برزخ میں کھڑا ہوں، جہاں اضطراب ہی اضطراب ہوتا ہے۔ تمناؤں اور آرزوؤں کی دھول اڑتی رہتی ہے۔ جہاں امنگیں بھی ہوتی ہیں تو ایسی تڑپتی اور سسکتی کہ انسان کے پاس اپنی پچھلی زندگی کے اعمالوں پر نوحہ کرنے کے سوا کچھ نہیں رہتا تو میں نے سوچا ابھی تو میری اگلی زندگی شروع نہیں ہوئی۔ کیوں نہ میں اپنے اعمالوں کا بوجھ ہلکا کر کے اپنی ارضی جنت پالوں اسی لیے میں آپ سب سے اپنے گناہ بخشوانے چلا آیا۔"

"ارے ارے توبہ کرو بیٹے غفور الرحیم تو وہ ہے کیوں ہمیں گناہ گار کر رہے ہو۔" عالیہ کی امی رقت آمیز لہجے میں بولیں۔

بڑے ہی رقت آمیز اور اثر انگیز لمحات تھے وہ جنھوں نے تقریباً سب ہی کے قلوب کو بوجھل اور آنکھوں کو نم کر دیا۔ خود آذر کی آنکھوں کے گوشے بھی نم ہو گئے، پھر دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے تو آذر نے جیب سے کوئی چیز نکال کر مظہر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جب بھائی ہی کہا ہے تو اب کہیں آپ کو جانے کی ضرورت نہیں۔ یہ چیک بک حاضر ہے۔ جس قدر رقم درکار ہو آپ میرا چیک کاٹ کر لے سکتے ہیں۔ رہ گیا وارنٹ وغیرہ کا معاملہ تو میں آپ کی ضمانت دے کر پولیس والوں کو کچھ کھلا پلا کر ایک دو دن میں ہی ختم کرا دوں گا۔"

مگر مظہر نے نہ صرف اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر لیے بلکہ چند قدم پیچھے بھی ہٹ گیا اور بڑی خفت سے بولا۔

"نہیں نہیں یہ کیا کر رہے ہو، میرے لیے تمہارا یہ خلوص ہی کافی ہے۔"

"خدا کی قسم بھائی سمجھ کر دے رہا ہوں سالا سمجھ کر نہیں، اگر آپ نے قبول نہ کیا تو میرا دل ٹوٹ کر رہ جائے گا۔"

آذر نے زبردستی وہ چیک بک مظہر کی قمیص میں ٹھونستے ہوئے کہا اور جواب میں مظہر تو کیا کوئی بھی کچھ نہ کہہ سکا۔ شاید سب ہی شرمندہ اور خفیف ہو رہے تھے۔ آذر ماحول کو خوشگوار بنانے کی غرض سے وہیں فرش پر عالیہ کی امی کے پاس بیٹھتا ہوا بولا۔

"چلو بھئی نائمہ! تم ذرا میرا سر کھجاؤ اور بال نا کلہ! تم میرے ہاتھ دباؤ اور تم عالیہ! ذرا جلدی سے مجھے تلخنہ سنگھاؤ۔"

اور سب ہی اس کی بات پر ہنس دیے۔

"ارے یہ تلخنہ سنگھانے کی نوبت کیوں آ گئی۔" عالیہ کی امی نے مسکرا کر پوچھا۔

"بس وہ ذرا اماں کے کارناموں سے ہوش گم ہوتے جا رہے ہیں۔" اس نے بڑی برجستگی سے جس طرح گردن ڈال کر کہا ہلکے پھلکے قہقہوں سے فضا میں رچی تمام کثافت دور ہو گئی۔ بچیاں فوری پر اس کے حکم کی تعمیل میں اس کے اردگرد بیٹھی اس کی نازبرداریاں کر رہی تھیں۔ اور طمانیت کا گہرا احساس لیے بیڈ سے پشت ٹکائے اور آنکھیں بند کیے وہ سوچ رہا تھا۔ آج میں نے کھل کر بات کی ہے تو بچیاں مجھ سے کتنی اپنائیت سے پیش آ رہی ہیں۔ ورنہ بے چاریاں اپنے حالات کی وجہ سے کیسی ڈری ڈری سی رہا کرتی تھیں کہ مجھے دیکھتے ہی ادھر ادھر کونوں میں چھپ جایا کرتی تھیں۔

"آذر بیٹے! اگر تھکن محسوس ہو رہی ہے تو آرام سے پلنگ پر لیٹ جاؤ۔" اسے آنکھیں بند کیے بیٹھا دیکھ کر عالیہ کی امی نے بڑی دلار سے کہا۔

"وہ نہیں شکریہ امی جان! مجھے ان ننھی منھی

مموں کے پاس بیٹھ کر بڑا ہی لطف آرہا ہے۔" اس نے آنکھیں کھول کر نائلہ کی ناک کھینچتے ہوئے کہا۔ تو عالیہ کی امی خوش ہو کر اٹھتی ہوئی بولیں۔

"ارے بچو! اپنے دولہا بھائی کو کچھ کھلاؤ پلاؤ تو سہی کسی سے اتنا بھی نہ ہوا کہ چائے کی ایک پیالی ہی دے دیتا۔"

عالیہ کی امی اشارے سے مظفر کو بھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئیں اور ان کے جاتے ہی بچیاں بھی اٹھ کر چلی گئیں تو آذر نے سر موڑ کر اور بھوں چڑھا کر عالیہ کی طرف بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھا اور بولا۔

"دیکھا کس ترکیب سے تخلیہ کرایا ہے امی جان نے۔" مگر عالیہ خاموش ہی بیٹھی رہی۔

"یہ تو مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ تنہائی ملتے ہی تم اب قتل مچاؤ گی۔ بلکہ مرغا تک بنانے سے دریغ نہ کرو گی۔ پھر بھی تم سے میری یہ التماس ہے کہ مجھے معاف کر دو.... کر دو نا یار! شرمندگی بذات خود ایک اعتراف ہوتا ہے انسان کی اپنی کوتاہیوں اور زیادتیوں کا لیکن اس کی مار بھی بڑی زبردست ہوتی ہے انسان......"

"آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آذر۔ میرا دل تو اس وقت بھی آپ کی طرف سے صاف تھا جب.... جب آپ کے کہنے پر میں آپ کے گھر سے نکلنے پر مجبور ہو گئی تھی۔"

"لیکن پھر بھی۔" وہ اس سے حد درجہ متاثر ہو کر بولا۔

"میرا ضمیر تو مجرم ہے۔ خیر آؤ ابھی میرے ساتھ گھر چلو تاکہ میں۔" آگے اس نے جو کچھ کہا لووں تک سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ عالیہ قدرے گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"اچھا میرا ہاتھ تو چھوڑیئے کوئی آگیا تو....."

"تو آجائے۔ یہی دیکھے گا نا کہ ایک شوہر نے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے۔" وہ عالیہ کی گھبراہٹ سے حظ اٹھا کر بڑی لاپروائی سے بولا۔

"ہونہہ شرم تو نہیں آتی۔" عالیہ نے محجوب سے انداز میں کہا۔

"آئے بھی کیسے جبکہ ساری شرم پر تو تم قبضہ کئے

بیٹھی ہو خیر چلو اٹھو۔"

"لیکن امی آپ کو بغیر کھانا کھلائے جانے ہی نہیں دیں گی۔ ذرا میں بھی تو جا کر دیکھوں کہ وہ کیا کر رہی ہیں۔"

"میں کھانا تو ضرور کھاؤں گا مگر اس شرط پر کہ امی جان اس سلسلے میں کوئی اہتمام نہ کریں، جو کچھ بھی موجود ہے بس وہی کھلا دیں۔" اس نے جاتی ہوئی عالیہ کو تاکید کی اور پھر اس کے پیچھے ہی باورچی خانے میں آگیا۔ جہاں عالیہ کی امی، بہنیں اور مظفر بھی موجود تھے۔ وہ بھی ان میں جا کر گھل مل گیا۔ اور اس گھر کی بوجھل اور کثیف فضائیں مدتوں بعد سب کے خلوص اور سچائی کے مدھ بھرے قہقہوں سے زعفران زار ہوتی رہیں۔